"[illegible] کیا مطلب؟"
"[illegible] کی طرح [illegible] ہے" بھوت نے [illegible] سے خراب ہو جاتا [illegible]

[illegible] خدوخال اور لباس سے [illegible]

"بھوت صاحب [illegible]" لبنی نے کہا۔

[illegible] کسی حد تک تقریباً برابری [illegible]

[illegible] مسعود نے [illegible] کہا۔

بھوت کے چہرے پر [illegible] سے آثار نظر آئے پھر وہ [illegible] بولا "یہ بے مذاق معاملات ہیں۔ میں ان پر گفتگو نہیں کروں گا۔"

"چلیں چھوڑیں اس بات کو۔ میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں لیکن پہلے آپ اپنی اہلیہ کے متعلق کچھ بتایئے۔"

"یعنی بھتنی صاحبہ کے متعلق" مسعود نے وضاحت کی۔

بھوت نے دانت نکال دیے "ہیں ٹھیک ٹھاک ہے" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا "جیسی بھتنیاں ہوتی ہیں۔"

"وہ انسان نہیں ہیں؟" لبنی نے پوچھا۔

"جب میں نہیں ہوں تو وہ کیسے ہو سکتی ہے" بھوت نے برہم ہو کر کہا "ہماری سوسائٹی میں عورت مرد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ مسز بھوت ہے تو بھتنی ہی ہوئی نا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے" مسعود نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو آپ کی سوسائٹی میں تحریکِ آزادیٔ نسواں نہیں چلتی؟" لبنی کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"چلتی ہے 'تحریکِ آزادیٔ بھتنیاں'۔ آئے دن اجلاس ہوتے رہتے ہیں" بھوت نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"آپ اپنی بیوی... میرا مطلب ہے بھتنی کو ہم سے نہیں ملوائیں گے" لبنی نے اشتیاق سے کہا۔

"یہ تو ممکن نہیں بی بی۔ دراصل میری بھتنی آدمیوں کے درمیان خود کو عجیب سا محسوس کرتی ہے اس لیے اس نے آپ لوگوں کے سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تو آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟" مسعود نے پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں" بھوت نے بدمزگی سے کہا۔

"یہ عرصہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے" مسعود مسکرایا "یہ فرمایئے کہ 'بھوتنا' بھی آیا کہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" بھوت کے لہجے میں حیرت تھی۔

لبنی کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

"میرا مطلب ہے 'ولی عہد'..." مسعود نے وضاحت کی۔

"اوہ... نہیں" بھوت بھی شرما گیا۔ "ابھی تو میں اکیلا [illegible] سے گھوم رہا ہوں۔"

"اچھو! بس اب تم چپ ہو جاؤ" لبنی نے مسعود کو ٹوکا پھر بھوت سے مخاطب ہو گئی "میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کی سوشل لائف کیسی ہے۔ خصوصاً اس [illegible] دشوار اور دور دراز علاقے میں؟"

"ہمارے ہاں جوائنٹ فیملی سسٹم تو ہے نہیں" بھوت نے لمبی سانس لے کر کہا "ایک گھر میں دو بھوت... میرا مطلب ہے دو فیملیز نہیں رہ سکتیں۔ اس کے باوجود بھوت ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لہٰذا خاصی مصروف سوشل لائف ہے اور بدقسمتی سے اس کے نتیجے میں ایک اہم مسئلہ ابھرتا ہے... مادہ پرستی۔"

"مادہ پرستی!" لبنی نے حیرت سے کہا "آپ لوگ خود تو غیر مادی ہوتے ہیں۔"

"ہم غیر مادی سہی لیکن طلب تو مادے ہی کی کر سکتے ہیں۔ غیر مادی چیز کی طلب تو ہو ہی نہیں سکتی۔"

"پھر بھی... یہاں اتنے زیادہ بھوت تو نہیں رہتے ہوں گے" لبنی نے اعتراض کیا۔

"آپ نہیں جانتیں۔ یہاں ایسے جتنے بنگلے بھی خالی ہیں ان میں بھوت گھرانے آباد ہیں۔ آئے دن پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں۔ میری بھتنی جب بھی کسی پارٹی سے واپس آتی ہے کوئی نہ کوئی فرمائش لے کر میرے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔"

"مگر آپ کو انسانوں جتنی پریشانی تو نہیں ہوتی ہوگی" مسعود نے تبصرہ کیا "ظاہر ہے' آپ خریداری تو کرنے سے رہے۔ آپ تو دکان سے کوئی بھی چیز اٹھا کر چل دیں۔ کون پوچھنے والا ہے۔"

"کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ ایک بار میں ایک دکان سے کلر ٹی وی اٹھا کر بھاگا تو جان مشکل میں پڑ گئی۔ ٹی وی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

"تو آپ کو بھی شاپنگ کرنی پڑتی ہے؟" لبنی کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"اسی وجہ سے تو بھوت بننا پڑا ہے" بھوت نے کہا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "اب مجھے چلنا ہے۔ شام ہو گئی ہے۔ میری بھتنی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

لبنی اور مسعود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

○☆○

رات ہوتے ہوتے ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ اسٹور روم میں لکڑیوں کا ڈھیر موجود تھا۔ مسعود آتش دان روشن کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لبنی کچن میں تھی۔

اچانک لبنی کی چیخ سنائی دی۔ مسعود تیزی سے کچن کی طرف دوڑا۔ وہ کچن میں داخل ہوا تو لبنی اپنے سیدھے ہاتھ سے بایاں

ہاتھ پکڑے کھڑی تھی "کیا ہوا؟" مسعود نے پوچھا "اب کیا ہوا؟"

"ہاتھ جل گیا" لبنی نے فریاد کرنے والے لہجے میں کہا۔

"ارے... تمہارے کتنے ہاتھ ہیں آخر" مسعود نے طنز آمیز لہجے میں پوچھا "اب تو مجھے شک ہے کہ تمہارے ہاتھ بچے ہی نہیں ہوں گے۔"

"کھڑے باتیں بناتے رہو گے۔ ٹیوب لاؤ جلدی سے" لبنی جھلا گئی۔

مسعود بھاگا ہوا گیا اور ٹیوب لایا لیکن ٹیوب میں اب کچھ بچا ہی نہیں تھا "دوسری ٹیوب لاؤ" لبنی نے کہا۔

"دوسری ٹیوب کہاں سے لاؤں۔ یہ تو ایمرجنسی کے لئے ایک ٹیوب رکھ لی تھی۔ گھر میں ایک ٹیوب ہے جو دو سال سے چل رہی ہے۔ ختم ہی نہیں ہوتی۔ تم نے کچن میں ایک گھنٹہ گزارا اور پوری ٹیوب ختم کروا لی۔"

"تو کیا کھا گئی میں؟" لبنی روہانسی ہو گئی "کتنی بار دونوں ہاتھ جلے ہیں میرے۔"

"پتا ہے ۲۴ روپے کی ٹیوب آتی ہے۔ تم نے ایک وقت کا کھانا پکانے میں ختم کروا لی۔ میرا بجٹ..."

"جہنم میں جائے تمہارا بجٹ۔ ٹھیک ہے' اب میں کھانا پکاؤں گی ہی نہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ناشتے میں بھی اگر تم نے آدھی ٹیوب استعمال کروا لی تو دن بھر میں ساٹھ روپے کا خرچ تو ٹیوب کا ہی ہو جائے گا۔"

"قسم سے' بڑے ناشکرے ہو۔ یہ فکر نہیں کہ میرے ہاتھوں کا کیا ہو گا" لبنی رونے لگی۔

مسعود جھنجلاہٹ کے باوجود اسے 'چمکارنے' منانے میں لگ گیا۔ ویسے اسے غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کھانا پکانے کے دوران لبنی کے ہاتھ کم از کم پندرہ بار جلے تھے۔ "اسی لیے پاپا کہتے تھے کہ لاابالی پن چھوڑو اور زندگی گزارنا شروع کرو۔ اب پتا چل رہا ہے۔"

وہ لبنی کو کمرے میں لے گیا۔ آتش دان کی وجہ سے کمرا گرم ہو رہا تھا۔ پھر کھانا وہ خود نکال کر لایا۔ کھانے کے بعد لبنی کا موڈ بہت اچھا ہو گیا۔ مسعود کافی بنا لایا۔ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر گفتگو کا رخ بھوت کی طرف مڑ گیا "تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ وہ فراڈ ہے؟" لبنی نے پوچھا۔

"پہلی ہی نظر میں پتا چل گیا تھا۔ کم از کم مجھے تو ماسک صاف نظر آ رہا تھا۔"

"اور تمہارے خیال میں چکر کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ باتوں سے تو وہ اپنے ہی قبیل کا لگ رہا تھا۔ بہرحال یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہ خانہ بھی ہے۔"

"کیسے؟"

"دیکھو نا۔ صدر دروازہ [illegible] سے کھولا جا سکتا ہے۔ تمام کھڑکیاں بھی اندر سے بند ہیں اور وہ کسی کمرے میں بھی موجود نہیں تھا۔ پھر [illegible] اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ باہر بھی نہیں گیا ہے۔"

"کیا پتا۔ سچ مچ بھوت ہی ہو" [illegible]

"فضول باتیں نہ کرو" مسعود نے منہ بنا کر کہا "اب اگر یہاں تہ خانہ ہے تو کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اسمگلنگ کا کوئی چکر ہو۔"

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ بہت جاندار آدمی تھا۔ مجھے اور تمہیں بہ آسانی ٹھکانے لگا سکتا تھا" لبنی نے دلیل دی۔

"بات ٹھیک ہے لیکن ذہن میں رکھو ایسے لوگ بلا ضرورت کسی کو قتل نہیں کرتے۔"

"خیر یہ بتاؤ اب کرنا کیا ہے؟"

"صدر دروازے کے سامنے والے کمرے میں قیام کرنا ہو گا اور رات بھر جاگنا ہو گا۔ میں صدر دروازے پر نظر رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم آتش دان تو جلاؤ اس کمرے میں" لبنی نے کہا پھر اسے کچھ خیال آیا تو اس نے اضافہ کیا "اور میرا خیال ہے اس معاملے کو خود ہینڈل کرنے کے بجائے پولیس کے سپرد کر دو۔ فرض کرو' تم ان پر ہاتھ ڈالتے ہو اور وہ مسلح ہوئے تو کیا ہو گا۔"

"کیا میں تمہیں اتنا ہی بے وقوف نظر آتا ہوں" مسعود نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں صورتِ حال دیکھ کر ہی قدم اٹھاؤں گا اور آتش دان میں روشن کر چکا ہوں۔"

رات بارہ بجے کے قریب مسعود نے تمام دروازے اور کھڑکیاں چیک کیں پھر اس نے صدر دروازے کی راہداری میں جلنے والے بلب کو چھوڑ کر تمام روشنیاں گل کر دیں۔ اپنے کمرے میں واپس آ کر اس نے اونی موزے اور جوتے پہنے۔ اوور کوٹ وہ پہلے ہی پہنے ہوئے تھا۔ لبنی بھی پوری طرح تیار تھی۔ وہ دونوں دبے پاؤں مجوزہ کمرے میں چلے آئے اور دروازے کی اوٹ میں کرسیاں لگا کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے وہ صدر دروازے پر نظر رکھ سکتے تھے۔ اب انہیں صرف انتظار کرنا تھا۔ سردی شدید تھی۔ ایسے میں اتنی بے آرامی کی وجہ سے نیند آنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جاگنے پر مجبور تھے۔ وہ بات بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بولنا مخدوش تھا۔

ایسی کیفیت میں انسان سوچنے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچتے رہے۔ لبنی کو اس ایڈونچر میں لطف آ رہا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ وہ اس وقت خود کو کسی فلم یا کہانی کا کردار محسوس کر رہی تھی۔ دوسری طرف مسعود اس بات پر پچھتا رہا تھا کہ وہ لبنی کو اس کمرے میں کیوں لایا۔ بہتر تھا

[illegible] ان کے ہونے کے بعد [illegible] لتی کو کچھ ہو گیا [illegible] پہلی بار اس کی سمجھ میں [illegible] کوئی گڑبڑ ہو گئی تو پایا [illegible] لتی کے جسم کو اذیت [illegible] رہی تھی۔

اس عالم میں [illegible] گزر گئی۔ اسے تو وہ صدیاں [illegible] فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا [illegible] لتی کو واپس لے جا سکتا ہے۔ اس کے سونے کے [illegible] فیصلہ کرنے کے بعد وہ لتی کی طرف ہاتھ [illegible] کہ باہر آہٹ سی سنائی [illegible] اس نے لتی کے جسم میں تناؤ سا [illegible] آواز بھی اس کی سماعت کا [illegible] نہیں تھی۔

[illegible] قدموں کی چاپ ابھری۔ اس کے بعد ایک نسوانی سرگوشی ابھری "آجاؤ... میدان صاف ہے۔"

فوراً ہی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مسعود نے باہر جھانکا۔ وہ دو افراد تھے۔ مرد کو تو اس نے چشمے کی وجہ سے فوراً ہی پہچان لیا۔ یہ وہی تھا جو بھوت بنا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو سوٹ کیس تھے اور کندھے سے ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک بیگ تھا۔ راہداری کی مدھم روشنی میں ان کے چہروں کے نقوش دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دبے پاؤں صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے "وہ دونوں شاید سو گئے" مرد نے سرگوشی کی "یہ اچھا موقع ہے نکلنے کا۔"

"وہ دونوں ہرگز نہیں سوئے ہیں اور یہ نکلنے کا موقع ہی نہیں ہے" مسعود نے بلند آواز میں کہا پھر اس نے تیزی سے سوئچ دبا کر روشنیاں کر دیں۔ راہداری جگمگا گئی۔ لڑکی کے حلق سے ایک سُریلی چیخ نکلی۔ مرد کے ہاتھ سے دونوں سوٹ کیس چھوٹ گئے۔ اچھا خاصا دھماکا ہوا۔ ان دونوں نے چونک کر کمرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت لتی اور مسعود کمرے سے نکل آئے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ مسعود مرد کا اور لتی لڑکی کا جائزہ لے رہی تھی۔ بھوت لڑکا ہی ثابت ہوا۔ اس کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ ہرگز نہیں تھی۔ وہ خاصا خوبرو تھا۔ لڑکی بھی خاصی دلکش تھی۔ اس نے [illegible] جیکٹ پہنی تھی... سیاہ و سفید جیکٹ۔ کانوں سے سیاہ موتیوں والے آویزے جھول رہے تھے۔ وہ متوحش نظر آ رہی تھی۔ جب کہ لڑکا پُرسکون تھا۔

"آپ... آپ کون ہیں؟"

"فضول سوال ہے" مسعود نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بھوت صاحب سے تو ہم پہلے ہی مل چکے ہیں۔ یہ یقیناً بھتنی صاحبہ ہیں۔ نام پوچھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ لوگ نام و نسب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

لڑکا کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا "اب تو تعارف کرانا ہی پڑے گا" اس نے کہا۔ "میں شکیل ہوں اور یہ میری بیوی ہے... میرا مطلب ہے بھتنی فرزانہ ہے۔"

لڑکی نے منہ بنا کر اسے دیکھا اور بولی "فضول باتیں مت کرو۔"

"نہیں کروں گا تو جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں تو پہلے ہی سمجھا رہی تھی کہ نکل چلو یہاں سے۔"

"میں تو اس بنگلے میں رہنے کے ہی خلاف تھا۔ بس تمہاری ضد کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا" شکیل نے جھنجھلائے لہجے میں کہا۔

"دیکھیے... یہ ٹھیک ہے کہ لڑنا آپ کا بنیادی حق ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آپ کو جواب دہی کرنی ہے لیکن یہاں خاصی سردی ہے۔ کیوں نہ ہمارے کمرے میں چلیں۔ وہاں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"واقعی... سردی بہت ہے" فرزانہ نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

وہ چاروں اس کمرے میں چلے آئے۔ مسعود نے آتش دان میں اور لکڑیاں ڈالیں "پہلے آپ لوگ سکون سے بیٹھ جائیں" اس نے دونوں سے کہا۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں بے حد شرمندہ نظر آ رہے تھے اور وہ الزام دینے والی نظروں سے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ لتی بیڈ پر بیٹھی انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو شکیل صاحب، اب فرمائیے" مسعود نے کچھ دیر بعد کہا۔

"فرمانا کیا ہے جی... وہی پرانی کہانی ہے" شکیل نے کہا... "بہرحال سن لیجیے..." وہ کہتا رہا۔

پندرہ منٹ بعد بات پوری طرح مسعود کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ تقریباً وہی کہانی تھی... تھوڑے سے فرق کے سوا۔ شکیل ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنی بیوی فرزانہ کے ساتھ ہنی مون منانے آیا ہوا تھا۔ ہوٹل میں کمرا ہیٹر سمیت ڈیڑھ سو روپے روز پر مل رہا تھا۔ یہ ان کی استطاعت سے زیادہ تو نہیں تھا لیکن اس کے بعد وہ ٹائٹ ہو کر بس ایک ہفتہ گزار سکتے تھے۔ جبکہ... برف باری کی گارنٹی نہیں تھی اور برف باری دیکھے بغیر واپس چلے جاتے تو انہیں ہمیشہ افسوس رہتا۔ ایسے میں انہیں جناح روڈ پر شاہد مل گیا... بنگلے کا منتظم۔ اس نے انہیں پچاس روپے روز پر بنگلے میں رہائش کی پیشکش کی۔ اسے وہ ٹھکرا نہیں سکے۔ شکیل ڈر رہا تھا مگر فرزانہ نے اسے مجبور کر دیا۔ اس میں دو بڑے فائدے تھے، جنہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ برف باری کا انتظار کر سکتے تھے... اور ان کا بجٹ بھی جواب نہ دیتا۔

دو کمرے ہوٹل میں کھانا منگوانا پڑتا، جب کہ وہ یہاں خود بھی پکا سکتے تھے۔ یہ مزید بچت کی صورت تھی۔

پھر شکیل کے بیان کے مطابق دو دن پہلے ٹیلی گرام آیا اور شاہد نے ان سے کہا کہ اب وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ اس موقع پر بھی فرزانہ نے شکیل کو اکسایا۔ انہوں نے شاہد کو دھمکی دی کہ وہ اس کی پول کھول دیں گے۔ شاہد نے گھبرا کر انہیں تہ خانے کا راستہ دکھایا اور محتاط رہنے کو کہا۔ بھوت والا آئیڈیا شکیل کا اپنا تھا۔

"اور یہ شاہد کہاں ہے؟" مسعود نے پوچھا۔

"اس نے کہا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے۔ ہمیں تاکید کی تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے نہ آئیں۔ وہ تین چار دن میں واپس آئے گا۔ اس دوران نصیب خان بنگلے کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"تو نصیب خان کو آپ لوگوں کے متعلق معلوم ہے؟" لتی نے پوچھا۔

"نہیں۔ اسے کچھ پتا نہیں۔"

"ایسا کمزور اور خود اعتمادی سے محروم بھوت میں نے آج تک نہیں دیکھا" مسعود نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں جناب۔ ہمارا واسطہ بھی بھوتوں سے پڑا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو چیخیں مارتا ہوا بنگلے سے بھاگ کھڑا ہوتا۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"اب میں اور بھتنی صاحبہ کوچ کریں گے۔ اس چمن میں اب اپنا گزارہ نہیں۔"

"مگر اتنی رات کو؟"

"وقت زیادہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں سورج جلدی غروب ہوتا ہے اور بہت تیزی سے رات ہو جاتی ہے" شکیل نے بتایا۔

"آپ کو یہاں کتنے دن ہو گئے؟"

"پورا ایک ہفتہ ہوا ہے اور ہم نے شاہد کو دس دن کا ایڈوانس دیا تھا" اس بار فرزانہ بولی۔

"تو آپ لوگ رک جائیں نا" لتی نے کہا۔

"نہیں۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے" شکیل اکڑ گیا۔

"لیکن ابھی تو آپ نے برف باری بھی نہیں دیکھی۔"

"ہاں... یہ تو ہے لیکن پھر سہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ کم از کم رات کو رک جائیں۔ صبح چلے جائیے گا" مسعود کے لہجے میں قطعیت تھی۔

خاصی ردوقدح کے بعد شکیل رات وہاں رکنے کے لیے تیار ہو گیا۔ کافی کا ایک دور چلا پھر وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ برابر والے کمرے میں شکیل اور فرزانہ نے اپنا بندوبست کر لیا تھا۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

○☆○

لتی کے لیے وہ بھوتوں بھری نیند تھی۔ وہ ٹھیک طرح سو ہی نہیں سکی۔ خواب میں وہ جس گھر میں تھی، اس میں ہر طرف بھوت ہی بھوت تھے... رنگ رنگ کے بھوت [illegible] ہر سائز کے بھوت... کچن کیبنٹ میں [illegible] بھوت تھے [illegible] دیواری الماری میں بھی بھوت تھے اور [illegible] کے جسم پر چل رہے تھے۔

وہ جاگی تو باہر [illegible] آوازیں آ رہی تھیں [illegible] آسمان سے بھوت برس رہے ہوں [illegible] قدموں کے گرنے کی آواز نہیں تھی [illegible] یہ کوئی ایسی [illegible] اور ڈر آ گیا تھا۔

بھوت پر بھوت... چھوٹے چھوٹے بھوت [illegible] ہوئے ذہن نے آہستہ سے کہا [illegible] اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں زیرو کے بلب کی روشنی تھی۔ مسعود اس کے برابر لیٹا بے خبر سو رہا تھا اور [illegible] ٹپ ٹپ کی آواز جاگتے میں بھی آ رہی تھی [illegible] کیا میں اب بھی خواب دیکھ رہی ہوں؟ اس نے سوچا۔ مگر نہیں... وہ واضح آواز تھی اور باہر سے آ رہی تھی۔

وہ بستر سے اٹھی اور کھڑکی کی طرف بڑھی۔ سردی بھی بہت کم ہو گئی تھی بلکہ کمرے میں گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پردے اٹھائے مگر صرف پردے اٹھانے سے باہر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ کھڑکی کے شیشے دھندلے ہو رہے تھے۔ اس نے بلا ارادہ ہاتھ سے شیشے کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں وہ اور بھی دھندلا ہو گیا۔ البتہ اس کا ہاتھ ایسا سرد ہوا کہ جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ شیشہ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔

اس نے کھڑکی کھول دی!

پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ ٹپ ٹپ جیسی آواز اور بلند ہو گئی تھی۔ فضا میں ہر طرف روئی کے چھوٹے گالے اڑ رہے تھے... نیچے گر رہے تھے۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی مگر پھر اسے سامنے والے درخت نظر آئے جو اوپر سے سفید ہو رہے تھے۔

اچانک اس کے ذہن میں کسی نے کہا۔ برف باری۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نعرہ لگایا... برف باری!

وہ اتنے زور سے چلائی تھی کہ مسعود گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی نظر آئی تو وہ اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔ اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی "کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

اس وقت تک لتی برف باری کے منظر سے پوری طرح مسحور ہو چکی تھی "برف باری ہو رہی ہے مجو" اس نے سرگوشی میں کہا "دیکھو تو کیا خوب صورت منظر ہے۔"

برف باری کا سنتے ہی مسعود پوری طرح بیدار ہو گیا۔ پھر وہ کھڑے اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر مسعود کو شکیل

[illegible]
[illegible] کمرے سے [illegible] شکیل کے کمرے کا
[illegible]
[illegible] باہر نکل گئے۔ باہر [illegible]
[illegible]
[illegible]
شکیل اور فرزانہ ایسے [illegible] کر رہے تھے کہ تنگ ہو کر رہ گئے
تھے۔ ان کے اندر سے آتا تھا کہ وہ اس خوب صورتی کو اپنے اندر
اتار لیں۔
"مجھے پہلی بار پتا چلا ہے کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے" مسعود
کے لہجے میں خوشی تھی۔
"اور مسعود... یقین نہیں آتا کہ یہ اپنی سرزمین ہے۔ اپنا
وطن" لتی بولی۔
"مجھے... دلہن کی طرح سجی ہوئی سرزمین کا تو میں آتے آتے ویسے ہی
قائل ہو گیا تھا۔"
"کراچی واپس جانے کو کس کا دل چاہے گا۔"
"کیا اسے ہم پر احسان کیا ہے"
وہ [illegible] کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان کی تمام حسیں
بیدار ہو رہی تھیں۔ بہت کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو گیا تھا۔ ان پر
قدرت کے راز منکشف ہو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جب وہ پہلی بار
برف گرتے دیکھنے کے تجربے کی سرشاری سے نکلے تو انہیں سکوت
کا احساس ہوا۔ وہ بڑا مکمل سکوت تھا۔ ہوا بھی ساکت تھی۔ کہیں
کوئی حرکت نہیں تھی۔ کمال یہ تھا کہ گرتی ہوئی برف اور اس کی
آواز تک اس سکوت کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے وہ سکوت
ٹوٹ ہرگز نہیں رہا تھا۔
"مکمل ہے... یہ کس طرح کا سکوت ہے" مسعود نے حیرت سے
کہا "برف گرنے کی آواز بھی اس سکوت کو ختم نہیں کر رہی ہے۔"
"اور مجھے حیرت ہے کہ برف گرنے کے باوجود سردی نہیں ہے
بلکہ موسم خاصا خوش گوار ہو گیا ہے" لتی نے کہا۔
"برف باری کے دوران سردی نہیں ہوتی" شکیل نے پہلی بار
لب کشائی کی "اس لیے کہ اس وقت ہوا رکی ہوئی ہے۔ لیکن بہت
ٹھنڈا رہے گا۔ برف باری رکنے کے بعد جب ہوا چلے گی تو آپ کو
اس میں برف کی برچھیاں محسوس ہوں گی۔ وہ جسم چھید ڈالنے والی
ہوا ہوتی ہے۔"
"ارے... تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہے" مسعود نے
شکیل سے کہا "عجب کہ تم خود پہلی بار برف باری دیکھ رہے ہو۔"
"ایک تجربہ کار دوست سے پوچھ کچھ کر کے چلا تھا۔"
برف باری صبح کے بعد تک جاری رہی۔ ان لوگوں نے خوب
تصویریں کھینچیں۔ شام ہوتے ہوتے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔
شکیل کی بات درست ثابت ہوئی۔ وہ رات بہت سرد تھی۔

○☆○

شکیل اور فرزانہ ان کے اصرار پر ایک رات اور رک گئے۔
اگلے روز وہ راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے انہیں
کراچی واپس جانا تھا۔ شکیل نے اپنا ایڈریس اور فون نمبر مسعود کو
دے دیا تھا۔ مسعود نے بھی اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس سے رابطہ کیسے
کر سکتا ہے۔
اب وہ اکیلے تھے اور خوب انجوائے کر رہے تھے۔ بنگلے کے
منتظم شاہد کو انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ نصیب خان دن
میں دوبار ضرور آتا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ پوچھتا کہ انہیں کسی چیز کی
ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ہر بار نفی میں جواب دیتے۔ ضرورت کی ہر
چیز موجود تھی۔
گویا اچھی گزر رہی تھی۔ بس مسعود کو ایک پریشانی تھی۔ اسے
کچن میں لتی کا ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ انکار کرتا تو کھانے کا بندوبست
ہوٹل میں کرنا پڑتا اور اس کے نتیجے میں اس کا بجٹ ڈسٹرب ہوتا۔
وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بجٹ کے اندر رہ کر، ہاتھ روک کر خرچ کر رہا
تھا لیکن اس سے پہلے اس کی کبھی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی۔
اسے گھر سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔
وہ شکیل اور فرزانہ کے جانے کے بعد تیسری رات تھی کہ ان
پر ایک نئی افتاد آ پڑی۔ اور وہ بھی بے حد خطرناک!
وہ بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ دونوں کی آنکھ کھلی اور بیک وقت
کھلی۔ وجہ یقینی طور پر بیرونی مداخلت تھی۔ دونوں گہری نیند سے اٹھے
تھے۔ ایک ثانیے کو تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا مگر صورت حال
ایسی تھی کہ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے
پھیل گئیں۔
وہ چار آدمی تھے مگر انہیں دیکھ کر کم از کم مسعود کے ذہن میں
لفظ آدمی نہیں آیا بلکہ اس کا ذہن ڈاکو... ڈاکو... کی تکرار کرنے
لگا۔ وہ چاروں سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے، چہروں پر
بھی سیاہ ڈھاٹے تھے۔ ڈھاٹوں اور ٹوپیوں کے درمیان بس ان کی
آنکھیں نظر آ رہی تھیں... اور وہ ڈراؤنی آنکھیں تھیں۔
لتی تو خوف اور دہشت سے گنگ ہو کر رہ گئی تھی مگر مسعود کا
دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سردی کا احساس ہوا تو اس کو خیال
آیا کہ وہ جو کمبل اوڑھ کر سو رہے تھے، وہ پائنتی کی طرف سمٹے پڑے
ہیں۔ اس نے لتی کو دیکھا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور تھر
تھر کانپ رہی تھی۔ اس لرزے کا سبب یقینی طور پر دہشت بھی تھی
اور سردی بھی۔ یہ دیکھ کر اسے غصہ آنے لگا لیکن وہ جانتا تھا کہ
ضد ظاہر نہ کرنے ہی میں عافیت ہے۔ چاروں ڈاکوؤں کے پاس
نئے طرز کی بڑی بندوقیں تھیں، جو بہت خوف ناک لگ رہی
تھیں۔
مسعود اٹھ کر بیٹھا اور اس نے جلدی سے کمبل کی طرف ہاتھ
بڑھایا۔ ایک ڈاکو نے بہت تیزی سے بندوق سیدھی کی "سیدھے
بیٹھے رہو" دوسرا ڈاکو غرایا "کوئی حرکت نہ کرو۔"
لیکن مسعود نے کمبل اٹھا کر لتی کے جسم پر ڈال دیا۔ وہ اب
بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ "کیا چاہتے ہو
تم" مسعود نے سخت لہجے میں کہا۔
"تمہیں اندازہ نہیں ہے؟" ایک ڈاکو نے طنزیہ لہجے میں کہا
"ہمیں پہچانتے بھی نہیں ہو گے۔"
"میں تمہیں نہیں جانتا" مسعود نے لہجہ سخت رکھنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔
"او ہو... تو ہم تمہیں ڈاکو نہیں لگتے" دوسرا ڈاکو ہنسا "اور یہ
بھی نہیں جانتے ہو گے کہ ہم کس لیے آئے ہیں۔"
مسعود خاموش رہا۔ پہلے ڈاکو نے کہا "وقت ضائع مت کرو۔
جلدی سے تلاشی لو۔"
پہلا ڈاکو ان دونوں کو کور کیے کھڑا رہا۔ باقی تینوں ڈاکوؤں نے
الماریاں کھولیں اور ان کی تلاشی لینے لگے۔ الماری میں ان کا
سوٹ کیس اور بیگ رکھے تھے مگر خالی تھے۔ لتی تمام سامان سلیقے
سے رکھ چکی تھی۔
ایک ڈاکو ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلا آیا اور اس کی درازیں
کھول کر دیکھنے لگا۔ چند ہی منٹ میں تینوں ڈاکو واپس آ گئے۔ ان
کے انداز میں مایوسی تھی "سردار... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے"
ایک ڈاکو نے کور کرنے والے کو مطلع کیا۔
"آپ لوگوں کو کس چیز کی تلاش ہے؟" مسعود نے پوچھا۔
"تم بے وقوف نظر تو نہیں آتے لیکن سوالات سے بے
وقوف ہی ثابت ہوتے ہو" سردار نے تیکھے لہجے میں کہا "ایک نئے
نویلے شادی شدہ جوڑے سے ہم ڈاکوؤں کو کیا امید ہو سکتی ہے، یہ
تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"
"میں اب بھی نہیں سمجھا" مسعود نے بے بسی سے کہا۔
"زیورات جگہ بھی کم گھیرتے ہیں اور قیمتی بھی زیادہ ہوتے
ہیں" سردار بولا۔
"لیکن میں زیورات ساتھ نہیں لائی" لتی اچانک چونک کر
بولی۔
"دوسرے نمبر پر ہمیں نقدی اچھی لگتی ہے۔"
"یہاں وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے" اس بار مسعود نے
جواب دیا پھر جلدی سے وضاحت کی "دراصل ہمیں بجٹ بنانے کی
پریکٹس کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔"
سردار اور تینوں ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نگاہوں

کا تبادلہ ہوا پھر ایک ڈاکو نے کہا "سردار... یہ تو کوئی سیاسی معلوم
ہوتے ہیں۔"
"سیاست داں ٹھیک لگتے ہیں سردار" دوسرا بولا "[illegible]
اسے وزیر [illegible] جانے والا ہو" اس نے مسعود کی طرف
اشارہ کیا۔
"[illegible]" [illegible] بھی [illegible]
"اگر یہ سیاست داں ہے تو [illegible] جاگیردار [illegible] ہو گا۔"
سردار نے سب کی باتیں سنیں اور مسعود کو [illegible]
نظروں سے دیکھتا رہا۔ [illegible] اس نے لتی کو دیکھتے ہوئے کہا
"زیورات اور نقدی کے بغیر تم نے [illegible]
[illegible] مستقبل کے [illegible]
زیادہ [illegible] معلوم ہو رہی ہے۔"
"نہ میں جاگیردار ہوں، نہ سیاست داں ہوں اور نہ ہی
مستقبل کا کسی بھی قسم کا وزیر" مسعود نے احتجاج کیا اور اسی لمحے
اس کی سمجھ میں پوری طرح سردار کی بات آ گئی۔ وہ اب لتی کو بہت
غور سے دیکھ رہا تھا۔ "تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں سردار
صاحب" اس نے غصے سے کہا۔
"ارے مسٹر، زبان سنبھال کے۔ مجھے سردار صاحب کہنے کی
ضرورت نہیں" سردار بھی بگڑ گیا۔ "میں کوئی [illegible] سردار نہیں،
ڈاکوؤں کا سردار ہوں۔"
"تم جو بھی ہو، میری بیوی کا احترام کرو" مسعود نے لتی کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سردار کی نگاہوں سے خوف زدہ ہو گئی
تھی۔
"ارے واہ! اتنا غصہ" سردار نے طنزیہ لہجے میں کہا "تمہارے
پاس زیور ہے نہ نقدی۔ بیوی کے سوا کچھ ہے نہیں اور اکڑ ایسے
رہے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ ہم یہ [illegible] لے جا رہے
ہیں" اس نے لتی کی طرف اشارہ کیا "کچھ دنوں کے اندر دس لاکھ
روپے کا بندوبست کرو اور اسے واپس لے جاؤ ورنہ میں اسے ہی
قبول کر لوں گا۔ ہماری سردارنی بن کر عیش کرے گی۔"
مسعود طیش کے عالم میں سردار پر جھپٹا۔ اسی لمحے لتی نے چیخنا
شروع کر دیا۔ مسعود سردار تک نہیں پہنچ سکا۔ دو ڈاکوؤں نے اسے
دائیں بائیں سے جکڑا۔ تیسرے نے ایک رومال اس کی ناک سے
لگا دیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بے سدھ ہو گیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بڑی
بے رحمی سے فرش پر گرا دیا۔ اس دوران سردار بھی یہی سلوک
لتی کے ساتھ کر چکا تھا۔
سردار نے لتی کو کندھے پر ڈالا اور نکلنے سے پہلے مسعود کو
دیکھا، جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا "اسے بستر پر ڈالو اور کمبل
اڑھا دو" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہاں پڑا رہا تو یہ سردی
میں مر ہی جائے گا۔"
ڈاکوؤں نے منہ بنایا لیکن مسعود پر جھک گئے۔

[illegible] ادھر بھی میاں" تم
[illegible]
[illegible]

○○○

لبنی کو ہوش آیا تو وہ ایک غار میں تھی۔ جس بستر پر وہ لیٹی تھی، وہ بے حد نرم اور گرم تھا۔ جسم پر کمبل بھی پڑا تھا۔ اس کے پاس یہ گمان کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ رات کو ڈاکوؤں کی آمد ایک ڈراؤنا خواب تھی۔

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ غار میں اس کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر غار کا پوری طرح جائزہ لیا۔ وہ بے حد کشادہ اور وسیع و عریض غار تھا۔ وہ جس دیوار کے ساتھ والے بستر پر لیٹی تھی اس کے مقابل والی دیوار کے ساتھ کئی اور بستر بچھے تھے۔ غار کی اندر والی سائیڈ پر کچھ برتن اور ڈبے رکھے تھے۔ ڈبوں کو کھول کر دیکھنے پر پتا چلا کہ ان میں دال چاول، گھی، چائے کی پتی اور ایسی ہی دوسری چیزیں تھیں۔ وہ تو کار گیا "اچھا خاصا گھر تھا۔" وہیں تیل سے چلنے والا ایک اسٹوو بھی رکھا تھا۔ مٹی کے تیل کا ہی ایک لیمپ بھی تھا، جو روشن تھا۔ ایک جانب کٹی ہوئی لکڑیوں کا بہت بڑا ڈھیر تھا۔

لبنی پریشان ہو کر چیخنے ہی والی تھی کہ اس نے خود کو روک لیا۔ چیخنا چلانا بے سود ہی تھا۔ ان لوگوں نے بے فکری سے اسے یہاں چھوڑ دیا تھا تو اس کا کوئی سبب بھی ہوگا ورنہ وہ کم از کم اس کے منہ میں کپڑا تو ٹھونس سکتے تھے۔ ہاتھ پاؤں بھی باندھے جا سکتے تھے۔ اس کے لیے اصل پریشانی کی بات یہ تھی کہ یہاں اسے مسعود نظر نہیں آیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے بنگلے ہی میں چھوڑ آئے ہوں۔ اسے ڈاکوؤں کی گفتگو یاد آئی تو تھرتھری چڑھ گئی۔ ان دونوں نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں سردار نے جو دھمکی دی تھی، اسے یاد کر کے لبنی اور لرز گئی۔

چند منٹ اپنے بستر پر بیٹھ کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ذرا دل سنبھلا تو وہ اٹھی اور دبے پاؤں غار کے دہانے کی طرف بڑھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے باہر جھانکا۔ باہر بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آئی۔

باہر نکل کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ ایک پہاڑی ڈھلوان پر واقع قدرتی جنگل میں کھڑی تھی۔ نیچے دور تک اونچے اونچے درختوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک پگڈنڈی نظر آ رہی تھی جس کے اطراف میں درخت تھے۔ پگڈنڈی برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔

وہ بھاگ نکلنے کے لیے اچھا موقع تھا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ بھاگ کر جائے گی کہاں۔ اسے تو راستوں کا بھی پتا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ پہاڑوں پر چلنے کی عادی تھی۔ اس پر مستزاد برف سے ڈھکے ہوئے راستے۔ کیا پتا کس جگہ برف کے نیچے خلا ہو۔ کوئی گڑھا ہو۔ ہاں پگڈنڈی کے سرے پر اگر اسے سڑک نظر آ جاتی تو وہ ہمت کر لیتی لیکن وہاں تو نیچے... بہت نیچے جاتے ہوئے درختوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دونوں جانب درخت ہی درخت تھے۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرف جائے۔ اتنے میں سر کے اوپر سے کسی نے کہا "سیدھے ہاتھ کی طرف ریچھ زیادہ ملیں گے اور الٹے ہاتھ کی طرف گیدڑ۔"

اس نے گھبرا کے سر اٹھایا۔ غار کے دہانے کے اوپر ایک بہت بڑی چٹان چھجے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس چھجے پر ایک شخص پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ اسے لباس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ ڈاکوؤں میں سے ایک ہے۔ اس بار چہرے پر ڈھاٹا نہیں تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔ خشخشی داڑھی تھی اور مونچھیں بھی ہلکی تھیں۔

لبنی نے کچھ نہیں کہا۔ بس شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔

چھجے پر بیٹھے ڈاکو نے ہاتھ منہ سے لگا کر بھونپو سا بنایا اور زور سے چلایا "سردار... سردار... باورچن اٹھ گئی ہے۔"

اس اعلان پر لبنی کا منہ بنا ہی تھا کہ سامنے والے درختوں کی طرف سے جواب آیا "میں آتا ہوں" لبنی نے آواز کی طرف دیکھا۔ ایک شخص چیڑ کے اونچے درخت سے بڑے مزے سے پھسلتا ہوا اترتا نظر آیا۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ یقیناً سردار تھا۔ بہت گھنی مونچھوں میں وہ بہت خطرناک لگ رہا تھا۔ عمر بھی اس کی زیادہ تھی۔

"کتنا سوتے ہو تم شہری لوگ؟" اس نے لبنی کے قریب آ کر بے حد بے تکلفی سے کہا "ناشتا بھی کرتے ہو یا نہیں؟"

"یہ کیا بکواس ہے" لبنی نے غصے سے کہا "تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے بی بی۔ تو دس لاکھ کا نوٹ ہے۔ اب تجھ سے ایسے بات نہیں کروں گا" ڈاکو نے بڑے دلار سے کہا "بس تو اب جلدی سے ناشتا بنا دے۔"

"مجھ سے ایسی کوئی امید نہ رکھنا" لبنی نے کڑے لہجے میں کہا۔

سردار کے تیور بدل گئے "تجھے تو ہماری ہر بات ماننی ہے شہری لڑکی" وہ غرایا "چھوٹی باتیں نہیں مانے گی تو بہت بڑی باتیں ماننی ہوں گی۔"

"جنگلی گھوڑی اور شہری عورت کو سدھانا بہت مشکل ہے سردار" اوپر بیٹھے ہوئے ڈاکو نے مسخرے پن سے کہا۔

"چپ کر اور نیچے اتر آ شیرے" سردار نے اسے ڈپٹا "اسے میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں" یہ کہہ کر وہ لبنی کی طرف بڑھا۔ اس نے لبنی کی کمر تھام کر اسے یوں اٹھایا جیسے وہ کوئی پلاسٹک کی گڑیا ہو۔ پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے داہنی جانب کے درختوں کی طرف چلا۔ درختوں کے درمیان ذرا سا آگے جا کر ایک گہری کھڈ کی جگہ سردار نے لبنی کو خلا میں جھلایا "جھول کیا کہتی ہے؟" اس نے غراہٹ لہجے میں پوچھا "میری بات مانے گی یا نہیں؟"

لبنی بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا گلا خشک تھا۔ لٹکی ہوئی حالت میں اس خوفناک کھائی کو دیکھنا بہت لرزہ خیز تجربہ تھا۔ اس نے تو اپنی سانس بھی روک لی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ ذرا بھی ہلی تو سردار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔

"بول... ورنہ گرا دوں گا کھڈ میں" ڈاکو پھر غرایا۔

اس بار لبنی نے شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔ ڈاکو اسے واپس لے آیا اور غار کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ لیکن لبنی کی ٹانگوں میں جان نہیں تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کے لیے اٹھنا بھی ناممکن تھا۔

"بس اٹھ جا، زیادہ نخرے نہ کر" سردار نے سخت لہجے میں کہا۔ "بہت بھوک لگی ہے اور یاد رکھ، بھوکا مرد بڑا خوں خوار ہوتا ہے۔ کچا چبا جاتا ہے... کچا!"

لبنی فوراً ہی اٹھ گئی۔ اگرچہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ کھائی میں لٹکنے کے تجربے کا اعادہ کرنا نہیں چاہتی تھی "کیا پکاؤں؟" اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"او شیرے، اسے بتا۔ میں ادھر ہی کھڑا ہوں" سردار نے اپنے ساتھی سے کہا "وہ چیلا بھی ابھی تک نہیں آیا ہے۔"

"آ بی بی میرے ساتھ" شیرے نے کہا اور لبنی کو غار میں لے گیا "یہاں ہر چیز موجود ہے ضرورت کی۔ تو ایسا کر کہ آٹا گوندھ لے۔ پھر چائے کا پانی چولہے پر چڑھا اور اس کے بعد پراٹھے ڈال دے۔"

"پراٹھے؟" لبنی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں... وہی گھی والی روٹی۔"

"لیکن مجھے تو آٹا گوندھنا نہیں آتا" لبنی نے بے بسی سے کہا۔

"تو بی بی، اپنے گھر میں تو کیا کرتی ہے؟"

"گھر میں نوکر ہیں۔"

"اور یہاں آنے کے بعد؟"

"ڈبل روٹی سے کام چلاتے تھے ہم۔"

"تیرا قصور نہیں ہے بی بی" شیرے نے آہ بھر کر کہا "یہ تیرے بڑوں کا قصور ہے۔ وہ کسی کام کا ہوتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا۔ خیر، اگر پیسے نہیں آئے اور سردار نے تجھے قبول کر لیا تو تین دن کے اندر سب کچھ آ جائے گا۔ سردار بہت چھٹ ہے۔ عورتوں کو

بھی نہیں بخشتا۔"

"یہ کیا بکواس ہے" لبنی نے [illegible]

"دیکھ تو سردار کے ساتھ ابھی مل ہے گی" شیرا [illegible] جا رہا تھا۔ "میرا مشورہ تو کسی کام کا نہیں ہے۔ [illegible] ہے۔ نہ تجھے کام کا پتا ہے [illegible]"

"ہم لوگوں کے پاس بندوقیں تھیں اور [illegible] صفائی [illegible] کی۔"

"تجھے چھوڑ کر بیٹھا گیا" شیرے نے طنز کیا۔

لبنی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے سردار کی آواز سنائی دی۔ "او شیرے، جلدی سے ناشتا بنوا۔ میرا برا حال ہے بھوک سے۔"

"اب کیا ہوگا" شیرا بڑبڑایا "چل بی بی، میں تجھے آٹا گوندھنا سکھاتا ہوں۔"

آٹا گندھ گیا۔ اب دوسرا مرحلہ تھا چولہے کا۔ مٹی کا تیل موجود نہیں تھا "تو فکر نہ کر بی بی۔ ہم ضرورت کی ہر چیز رکھتے ہیں" شیرے نے فخریہ لہجے میں کہا "یہ لکڑیاں موجود ہیں۔ دیکھ یہ کیا چلے گا۔"

لبنی نے کبھی لکڑیاں نہیں جلائی تھیں۔ شیرا اسے سمجھاتا رہا۔ نیچے پتلی چھوٹی لکڑیاں رکھ کر جلائی گئیں۔ انہوں نے آنچ پکڑ لی تو اوپر سلیقے سے بڑی لکڑیاں رکھ دی گئیں مگر لبنی دھوئیں سے پریشان تھی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

اب توے کا مرحلہ درپیش تھا۔ توے کے نام پر وہاں ایک بہت بڑا گول ٹین تھا۔ لبنی نے آج تک توے پر بھی کبھی روٹی نہیں ڈالی تھی۔ اسے دیکھ کر تو وہ گھبرا گئی۔

"اس کا فائدہ یہ ہے بی بی کہ تجھے ایک ہی پراٹھا پکانا پڑے گا اور سب کا کام ہو جائے گا۔"

"میرے پاس کوئی کام کی چیز ہوتی تو تم سب کا کام تمام کر دیتی" لبنی نے جل کر کہا۔

شیرا اسے سکھاتا سمجھاتا رہا۔ جیسے تیسے ایک پراٹھا تیار ہو گیا۔ چائے بھی بن گئی لیکن لبنی کے ہاتھوں پر چھالے لگ گئے۔ وہ پریشان ہو گئی۔ یہاں تو ٹیوب بھی نہیں تھی۔ شیرے کو پتا چلا تو اس نے جلی ہوئی جگہ گھی لگانے کا مشورہ دیا۔ حیرت انگیز طور پر اس سے فائدہ بھی ہوا۔

سردار اور شیرا مزے سے بیٹھ کر کھاتے رہے۔ لبنی کا بھوک سے برا حال تھا لیکن وہ وحشت زدہ بھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس قصے کا انجام کیا ہوگا۔ اسے مسعود کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ اس کی طبیعت ایسی تھی کہ غصہ آ جاتا تو خوف دب جاتا تھا اور وہ غصے کا اظہار بھی خوب کر لیتی تھی۔ اسی وجہ سے ڈاکوؤں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی خوف زدہ ہے۔ اور وہ اپنے خوف کو ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر کھائی میں لٹکنے کے تجربے نے اسے لرزا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ جانتی تھی کہ

سردار سے پیچھے کا نہیں۔ وہ دس لاکھ کا نوٹ تھی۔

سردار کی آواز نے اسے چونکا دیا "لے بی بی' اب تو ناشتا کرلے" وہ کہہ رہا تھا۔ اس نے توے پر پڑا پراٹھا اس کی طرف اچھالا "چائے بھی نکال لے اپنے لیے۔"

لتی نے منہ بنا کر پراٹھے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"میرا مان گئی" سردار نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے۔ عورتیں پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں پھر خود کھاتی ہیں۔"

"مجھے کیا تمہارے ہاں کے طریقوں سے" لتی نے بھنا کر کہا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً تمہیں قبول کرلوں گا۔"

لتی کا غصے سے برا حال ہو گیا "سنو' تم مجھے کمزور نہ سمجھو۔ میں تمہیں نہ مار سکی تو خود ضرور مر جاؤں گی۔"

"مرجانا۔ پہلے ناشتا کرلو ورنہ اٹھا کر کھائی میں پھینک دوں گا" سردار کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔

یہ بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ شیرے نے نعرہ لگایا "جیلا آگیا استاد۔"

لتی نے آواز کی سمت دیکھا۔ پگڈنڈی کی طرف سے ایک اور ڈاکو آتا نظر آیا۔ اس کے کندھے سے بندوق جھول رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پانچ چھ مردہ خرگوش لٹکے ہوئے تھے "یہ شیدا ابھی نہیں کہاں رہ گیا؟" سردار بڑبڑایا۔

جیلے نے وہ پانچ خرگوش لا کر برف پر ڈال دیے۔ انہیں ذبح وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ خون اب بھی رس رہا تھا۔ برف سرخ ہونے لگی تھی "یہ لو سردار' کھانے کا بندوبست بھی ہو گیا" جیلے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لے بی بی' اب اس کی کھال اتار اور انہیں صاف کرلے جلدی سے" سردار نے لتی سے کہا "پھر کھانا پکانے کا بندوبست کر۔"

"کون میں؟" لتی کو یقین نہیں آرہا تھا "مجھ سے تو یہ خرگوش دیکھے بھی نہیں جا رہے ہیں۔ میں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"تجھے ٹھیک کرنا ہی پڑے گا بی بی" سردار نے نرم لہجے میں کہا۔ "تجھے تو عورت بن... ... نہیں آتا...."

اس بار پھر شیرے کی مداخلت نے بات نہیں بڑھنے دی۔

"شیدا بھی آگیا سردار" اس نے نعرہ لگایا۔

لتی نے پگڈنڈی کی سمت دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شیدا اکیلا نہیں تھا!

○☆○

مسعود آگے آگے چل رہا تھا اور بندوق بردار اس کے پیچھے تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ انہیں چلتے ہوئے کم از کم بیس منٹ ہو گئے ہیں۔ بالکل اچانک ہی سامنے وہ لوگ اسے نظر آگئے۔ لتی بھی تھی اور تین اور افراد تھے۔ وہ یقیناً ڈاکو ہوں گے۔

لتی نے اسے دیکھا تو دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی "مجھے سوری مسعود' تم کیسے آپہنچے؟" وہ اس سے لپٹ گئی اور پھر جانے کیا ہوا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی "یہ لوگ بہت ظالم ہیں مسعود۔ وہ... وہاں بہت گہری کھائی ہے۔ یہ سردار مجھے وہاں پھینک رہا تھا" وہ بچوں کی طرح سسکیوں کے درمیان کہے جارہی تھی۔

مسعود کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ اسے کیسے دلاسا دے۔ ہاتھ میں تو امید کی ڈور کا کوئی سرا بھی نہیں تھا بلکہ امید کی ڈور بھی نہیں تھی۔ وہ بس اسے تھپتھپاتا رہا "فکر نہ کرو۔ اب میں آگیا ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا" اس نے دھیرے سے کہا۔

"او بابو' اب ادھر چلا بھی آ" سردار نے چیخ کر کہا۔

مسعود نے لتی کو ہٹایا۔ اسی لمحے شیدے نے اسے آگے دھکیلا "چل بھی بابو... آگے بڑھ۔"

مسعود نے آگے بڑھتے ہوئے گرد و پیش کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ وہ غار کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ قدرت نے اسے اور محفوظ کر دیا تھا۔ برف باری میں بھی غار کا دہانہ بند نہیں ہو سکتا تھا۔ بظاہر اس پگڈنڈی کے سوا آمدورفت کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک طرف لتی کے بیان کے مطابق کھائی تھی۔ امکان یہی تھا کہ دوسری طرف بھی یہی صورت حال ہوگی۔

وہ شیدا اور لتی اب سردار کے سامنے پہنچ چکے تھے "اسے کہاں سے پکڑ لایا ہے شیدے؟" سردار نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"تمہارا اندازہ درست تھا سردار" شیدے نے کہا "یہ ہمارے قدموں کے نشان دیکھتا ہوا ادھر ہی چلا آرہا تھا۔ بہت چالاک ہے۔"

"اتنی جلدی تم نے دس لاکھ کا بندوبست کرلیا؟" سردار مسعود کی طرف مڑا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا" مسعود نے کہا۔

"اور میں نے بھی تمہیں بتا دیا تھا کہ دس لاکھ نہیں ملے تو کیا ہوگا" سردار کے لہجے میں دھمکی تھی "تم نے برا کیا جو دس لاکھ لیے بغیر یہاں چلے آئے۔ خیر ہمارا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں۔ ہمارے بہت کام آؤ گے اور ایک اہم کام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا تمہارے بغیر۔ اب وہ بھی ہو جائے گا" سردار جیلے اور شیدے کی طرف مڑا "تم لوگ بھی جلدی سے ناشتا کرلو۔ اے بی بی' چائے لاکر دے ان دونوں کو۔"

لتی غار میں چلی گئی۔ مسعود نے سردار کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب ڈاکوؤں کا کیا رد عمل ہوگا۔

"اوئے چھوکرے' تم لوگوں کو عورت تو رکھنی نہیں آتی اور

شادی کرلیتے ہو" سردار نے اس سے کہا۔ لہجے میں حقارت تھی۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟" مسعود کا دماغ الٹ گیا۔

"جو اور کیا۔ تمہاری عورت کو گھر کا کوئی کام بھی نہیں آتا۔ سب ہمیں سکھانا پڑ رہا ہے۔"

اتنے میں لتی غار میں سے پیالے لے آئی تھی۔ اس نے پیالوں میں چائے انڈیل کر پہلے مسعود کو دی اور پھر جیلے اور شیدے کے سامنے رکھ دی۔ وہ دونوں اس سے پہلے ہی چھاڑی سائز کے پراٹھے پر ٹوٹ پڑے تھے "یہ تمہارے ہاں کی عورت نہیں ہے؟" مسعود نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"عورت کہیں کی بھی ہو' اسے عورت ہونا چاہیے اور مرد کو مرد ہونا چاہیے۔ اس کو تو میں کسی نہ کسی طرح عورت بنا دوں گا لیکن تمہارا مرد بننا بہت مشکل ہے۔"

"تمہارے خیال میں مرد کیا ہوتا ہے بے وقوف! تمہارے خیال میں یہ مردانگی ہے کہ میں تم لوگوں پر ٹوٹ پڑوں۔ نتیجے میں مارا جاؤں اور بیوی کو بیوہ کردوں" مسعود نے بڑے تحمل سے کہا۔ درحقیقت اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔

"نہیں۔ یہ تو واقعی بے وقوفی ہوگی" سردار نے زہریلے لہجے میں کہا "لیکن مردوں کو محنتی اور جفاکش ہونا چاہیے۔ نکما آدمی تو خود بھی ٹھیک سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ اپنا خیال بھی نہیں رکھ سکتا۔ بیوی کا کیا خیال رکھے گا۔"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ میرا محنتی پن اور میری جفاکشی اور طرح کی ہے۔"

"جفاکشی ہم اسے کہتے ہیں' جو ہر طرح کے حالات میں زندگی گزارنے کا جتن کر سکے۔"

مسعود نے حیرت سے سردار کو دیکھا۔ اسے وہ گفتگو دانش ورانہ لگی۔

"جفاکشی میں تمہیں سکھاؤں گا" سردار نے مزید کہا "زندہ بچ گئے تو تم بھی محنتی اور جفاکش ہو گے۔ چلو' پہلا کام یہ کرو کہ ان خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں پکانے کے لئے تیار کرو" اس نے برف پر پڑے خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا۔

مسعود نے حیرت سے خرگوشوں کو اور پھر سردار کو دیکھا "یہ محنت ہے... جفاکشی ہے۔"

"نہیں... یہ زندگی ہے" سردار نے جواب دیا "محنت اور جفاکشی شکار کرنے سے شروع ہوتی ہے۔"

"مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا" مسعود نے صاف انکار کردیا۔

"تو زندگی کیسے گزارو گے؟ یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کا۔ پیسے کے زور پر زندگی گزارتے ہو۔ ہمیں دیکھو۔ ہماری جیب خالی ہے لیکن تم سے اچھا کھاتے ہیں۔ تم سے اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے نہیں گھبراتے۔"

"ہاتھ پاؤں ہلانا لوگوں کو لوٹنا' انہیں یرغمال بنا کر دولت طلب کرنا ہے" مسعود نے طنزیہ لہجے میں کہا "ہو خالی جیب اچھی زندگی گزار سکتے ہو تو مجھ سے دس لاکھ بدلے کیوں مانگتے ہو؟ ڈاکو کیوں بنے ہوئے ہو؟"

"پیسہ ان کے پاس ہونا چاہیے جنہیں زندگی گزارنی آتی ہے" سردار نے فلسفیانہ انداز میں کہا "خیر' اب تمہیں بھی سمجھ آجائے گی۔ یہاں ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے تو کھانا ملے گا۔ یہاں مفت کی روٹیاں نہیں توڑ سکتے" اس نے پھر خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا "چلو شروع ہو جاؤ۔"

"مجھے یہ کام نہیں آتا" مسعود نے بے بسی سے کہا۔

"تو سیکھ لو" سردار نے کہا پھر اس نے شیرے کو پکارا "او شیرے' بابو کو ذرا ایک خرگوش بنا کر دکھا۔ باقی کام یہ خود کرلے گا۔"

"ابھی لو سردار۔"

شیرے نے ابھی مسعود کی کلاس لینی شروع ہی کی تھی کہ سردار نے لتی کو پکار لیا "او بی بی' دیکھ آج برف گرے گی۔ تو آ کر یہی لکڑیاں چیر کر چھوٹی چھوٹی کرلے۔ جلانے میں آسانی ہوگی۔ یہاں آگ کے پاس ہی ڈال دے انہیں۔ تھوڑی سوکھ جائیں تو اچھا ہے۔"

مسعود نے سر گھما کر سردار کو دیکھا "میری بیوی یہ کام نہیں کرے گی۔"

"یہ بی بی یہ کام ضرور کرے گی۔ تیری عورت بن کر نہیں تو میری عورت بن کر کرے گی۔"

مسعود اٹھ رہا تھا کہ شیرے نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے۔ مسعود نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ مسکرا رہا تھا "نہیں بابو' غلطی نہ کرنا۔ تو سردار کو نہیں جانتا ہے۔ وہ جو کہہ رہا ہے' کر بھی گزرے گا۔"

مسعود خاموشی سے بیٹھ گیا۔ شیرا اسے سمجھا رہا تھا کہ کھال آسانی سے کیسے اتاری جا سکتی ہے۔

○☆○

پورا دن گزر گیا۔ منصور صاحب نے بلاشبہ سیکڑوں بار شاکر کا دیا ہوا مری کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ ہر بار انہیں انگیج ٹون سننے کو ملی تھی۔ شاکر کی بات درست ہی لگ رہی تھی کہ مری میں برف باری کے بعد ٹیلی فون کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے رات کو شاکر کو دوبارہ فون کیا۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ بے فکر ہو جائیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے' انکل" شاکر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میاں۔ لیکن دل مضطرب ہے۔ بات ہو جاتی تو مجھے سکون ہو جاتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"دل نہیں مانتا برخوردار۔ میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ مسعود

نے مجھے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا لے گئے ہیں اور انہوں نے اس کی رہائی کے لئے دس لاکھ روپے مانگے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ آپ اور لوگوں سے پوچھ کر دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بھی یہی جواب دیں گے کہ مری میں ایسا کوئی سلسلہ نہیں چلتا۔"

"میں پوچھ چکا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے لیکن میں کیا کروں۔ دل کو کیسے سمجھاؤں۔" منصور صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" شاکر نے پوچھا۔

"ابھی فیصلہ تو میں مشہود سے بات کرنے کے بعد کروں گا۔ مشہود میرا بھائی اور لبنیٰ کا باپ ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔ "لیکن میرے دل میں بار بار خیال آتا ہے کہ مجھے خود مری جا کر دیکھنا چاہئے۔"

لائن پر چند لمحے خاموشی رہی پھر شاکر کی آواز ابھری "آپ حکم کریں تو میں مری چلا جاؤں۔"

"میں بہت شکر گزار ہوں گا۔"

"ایسا کریں، کل اور ٹرائی کریں۔ شاید فون مل جائے۔ نہیں تو پرسوں میں چلا جاؤں گا۔ کل مجھے ایک ضروری کام ہے۔ وہ نمٹا لوں گا۔"

منصور صاحب ہچکچائے "اچھا ٹھیک ہے لیکن....."

"میں آپ سے رابطہ رکھوں گا" شاکر نے ان کی بات کاٹ دی "ممکن ہے میں کل ہی چلا جاؤں۔"

"تمہارا بہت شکریہ بیٹے۔"

"بس آپ پریشان نہ ہوں انکل۔ اچھا خدا حافظ۔"

منصور صاحب نے ریسیور رکھا اور کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ مشہود الزماں سے فون پر بات کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ گھر میں بات کی گئی تو پریشانی بڑھ سکتی ہے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگے.....

O☆O

رات ہوتے ہوتے مسعود تھک کر چور ہو چکا تھا۔ اس ایک دن میں اس نے جتنے کام کئے تھے، پوری زندگی میں نہیں کئے تھے اور جس نوعیت کے کام کئے تھے، وہ اس کے امکانِ تصور سے بھی باہر تھے۔ اس نے خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں صاف کیا تھا۔ پھر وہ جنگل گیا تھا اور لکڑیاں کاٹ کر لایا تھا۔ اس کے بعد وہ لکڑیاں چیرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں میں کلہاڑی تھامنے کی طاقت بھی نہیں رہی تھی۔ ہاتھوں میں ایک ایک جگہ پر کئی کئی چھالے پڑ کر پھوٹ چکے تھے۔

شیرے نے اسے چیڑ کی لکڑی کے متعلق بھی بتایا تھا، جو مشعل کے کام آتی تھی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ لبنیٰ بھی بڑی مصیبت میں ہے۔ وہ بھی ایسے کام کر رہی تھی، جو کبھی نہیں کئے تھے۔ پانی گرم رکھنا، چائے بنانا، آٹا گوندھنا، سالن.... اور پھر بڑی بڑی روٹیاں پکانا۔ اب تو وہ بے چاری ٹھیک طرح سے چل بھی نہیں پا رہی تھی۔

اور وہ ڈاکو بڑے پیٹو تھے۔ مسعود نے انہیں کھاتے دیکھا تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ کوئی انسان اتنا کھا سکتا ہے۔ اس کا اپنا یہ حال تھا کہ تھکن نے بھوک بھی اڑا دی تھی۔ اس نے بمشکل چار لقمے لئے۔ لبنیٰ کا بھی یہی حال تھا۔

بہر حال رات کا کھانا مسعود کو نعمتِ عظمیٰ ہی لگا۔ صرف اس لئے کہ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں نے نہ صرف سونے کا ارادہ کر لیا بلکہ ان کے لئے بھی یہی حکم صادر فرما دیا۔ اس وقت تک مسعود کا جسم آرام کا مطالبہ کرنے کے سوا کسی قابل نہیں رہا تھا۔

لیکن کون کہاں سوئے گا، اس مسئلے پر الجھن پیدا ہو گئی۔ ڈاکو مسعود کو اپنے درمیان اور لبنیٰ کو الگ سلانا چاہتے تھے۔ مسعود نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو بس پہلی فرصت میں لیٹ جانا چاہتا تھا لیکن لبنیٰ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا "میں اکیلی نہیں سوؤں گی۔"

"تو اب میں تیرے ساتھ سونے کے لئے عورت کہاں سے لاؤں بی بی" سردار نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر جو یہاں موجود ہے۔"

مسعود کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لبنیٰ یہ ہنگامہ کیوں کر رہی ہے۔ وہ حیرت سے کبھی لبنیٰ کو دیکھتا اور کبھی سردار کو۔

"یہ نہیں ہو سکتا اور اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟"

"ضرورت ہے۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔"

سردار یہ سن کر غصے سے پاگل ہو گیا۔ مسعود کی سمجھ میں اب بھی بات نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک.... اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ لبنیٰ کو ان ڈاکوؤں کی قید میں ایک اور بڑا خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ اس کے خون میں بتدریج گرمی آنی شروع ہوئی۔

"پاگل ہو گئی ہے بی بی" سردار برافروختگی سے کہہ رہا تھا "مجھے کچھ کرنا ہوگا تو مجھے روکے گا کون۔"

لبنیٰ کا چہرہ تمتما اٹھا "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میرے شوہر کو نقصان پہنچاؤ گے۔"

"تو ادھر تیرے پاس سو کر یہ محفوظ ہو جائے گا....."

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے سردار" مسعود نے ٹھنڈے لہجے میں بات کاٹ دی "جب میں یہاں موجود ہوں تو یہ اکیلی نہیں سوئے گی۔"

"ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا" سردار اس پر الٹ پڑا "اور تم اس جگہ کو کیا سمجھ رہی ہو۔ یہ ڈاکوؤں کا غار ہے، کوئی عیاشی والا ہوٹل نہیں۔"

مگر اب مسعود کا دماغ آؤٹ ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر لبنیٰ کی طرف چلا آیا۔ سردار بھی اٹھنے لگا مگر شیرے نے اسے روک لیا "رہنے

دو سردار۔ یہ شہری لوگ ہیں۔ ان کے اپنے رسم و رواج ہیں۔"

سردار بیٹھ تو گیا لیکن اس نے جھنجھلا کر کہا "رہنے دے شیرے۔ مجھے تو ان میں اب تک میاں بیوی کی محبت بھی نظر نہیں آئی۔"

اس کی یہ بات سن کر مسعود اور لبنیٰ نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکا مگر اگلے ہی لمحے دونوں کی نگاہیں جھک گئیں۔

غار میں خاصی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکوؤں کے خراٹوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لبنیٰ اور مسعود کچھ دیر چپ چاپ لیٹے رہے پھر مسعود نے کہا "یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آئی کہ تم نے اس بات پر اتنا ہنگامہ کیوں کیا۔ کل بھی تو تم یہاں اکیلی رہی تھیں؟"

"وہ اور بات تھی۔ میں بے ہوش تھی" لبنیٰ نے کہا پھر کچھ دیر سوچتی رہی "بات یہ ہے کہ تم سے مجھے تحفظ کا احساس ملتا ہے۔"

"کراچی میں اپنے گھر میں بھی زیادہ تر تم اکیلے سونے پر اصرار کرتی تھیں۔" مسعود نے اعتراض کیا۔ دونوں سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"وہ بھی اور بات تھی۔ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔"

"کوشش تو کرو۔"

"دن بھر تمہارا رویہ ایسا ہوتا تھا، جیسے تمہیں میری کوئی پروا ہی نہیں۔ جیسے تمہیں مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ بس پھر اس کے بعد رات کے وقت تمہارا قریب آنا مجھے برا لگتا تھا مگر اب تم قریب ہو تو تحفظ کا احساس ہو رہا ہے۔"

"سردار ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمارے درمیان میاں بیوی والی محبت ہے ہی نہیں لیکن پھر بھی میرے جیتے جی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"یہ محبت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟" لبنیٰ نے تنک کر کہا۔

"میں نہیں لاتا۔ دوسرے لاتے ہیں" مسعود نے اور زیادہ تنک کر کہا "مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔"

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی پھر لبنیٰ نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر مسعود کو چھوا "محبت نہ سہی مجھو۔ لیکن میں تمہارا خیال تو رکھتی ہوں۔"

"خاک خیال رکھتی ہو۔ خیال رکھتیں تو ہم یہاں.... اس حال میں کیوں ہوتے" مسعود نے جھنجھلا کر کہا "گھر میں تمام وقت شرارتیں کرتی تھیں اور مجھے بھگتنا پڑتا تھا۔"

"خود تو جیسے تم کچھ کرتے نہیں" لبنیٰ نے چیخ کر کہا پھر اسے خیال آگیا "ہم پھر لڑنے لگے؟"

مسعود نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر کچھ دیر خاموشی رہی "مجھو.... نیند نہیں آ رہی ہے کیا؟"

"نیند کیسے آئے گی۔ پورا جسم دکھ رہا ہے میرا" مسعود کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مجھو.... اب ہو گیا؟"

"پتا نہیں۔ تم تو کچھ تھوڑی دیر رہو گی۔"

"مجھ سے ناراض ہو مجھو؟" لبنیٰ نے مسعود کا ہاتھ تھام لیا۔ مسعود کی چیخ نے اسے دہلا دیا۔

چیخ سن کر ڈاکوؤں میں سے کسی نے نیند میں اول فول بکواس پیدا کر دیا "ان کے ہاں چیخیں بھی محبت کی نشانی ہیں۔"

یہ سن کر تو مسعود کا دماغ ہی الٹ گیا لیکن کچھ کہنا لاحاصل تھا۔ وہ خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا "کیا ہوا مجھو؟ چیخے کیوں تھے؟" لبنیٰ نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"مجھو کا صرف جسم نہیں دکھ رہا ہے۔ ہاتھوں پر بے حد برے چھالے بھی ہیں" مسعود نے چڑ کر کہا۔

"میں کیا کروں مجھو؟ یہاں تو کوئی دوا بھی نہیں۔"

"بس دعا کرو کہ مجھے نیند آ جائے۔"

جانے لبنیٰ کو کیا ہوا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور مسعود کی ٹانگیں دبا دیں "لو بھی کیا کرتی ہو؟" مسعود نے احتجاج کیا۔

"تمہاری ٹانگیں دکھ رہی ہیں نا۔"

"میرا تو پورا جسم دکھ رہا ہے۔"

"تو پورا جسم دبا دوں گی۔"

یہ ان ہونی تھی۔ مسعود حیرت سے سوچ رہا تھا کہ یہ لبنیٰ کو کیا ہو گیا ہے۔ بہر حال دکھتے ہوئے جسم پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ بہت اچھا اور سکون بخش لگ رہا تھا۔ لبنیٰ کے بارے میں نرمی سے سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

لبنیٰ دیر تک اسے دباتی رہی۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ سو گیا ہے۔ اسے اس وقت مسعود پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ دن بھر کیسی مشقت کی تھی اس نے۔ کیا حشر ہو گیا تھا بے چارے کا۔ پھر اس کی سوچ کی رو اپنی طرف مڑ گئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ وہ پہلی بار اس کی اس طرح خدمت کر رہی تھی۔ اس وقت اس کی کیفیت عجیب تھی۔ مسعود کے بارے میں اس نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ کیا یہ محبت ہے؟ اس کے ذہن میں اس معصوم سے سوال نے سر اٹھایا۔ لیکن اس کا جواب وہ یقین سے نہیں دے سکتی تھی۔

"مجھو.... ایک بات سنو" اس نے پکارا۔

جواب نہیں ملا تو اس نے جھک کر دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے بڑی نرمی سے اس کی پیشانی پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھوں کی پشت کو بوسہ دیا۔ ہتھیلی کو چھونے کی تو اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

اسی لئے اسے احساس ہوا کہ وہ مسعود سے محبت کرتی ہے۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ تو یہ ہوتی ہے محبت؟

بیچاری بھی کسی کے لیے پریشان ہوتا۔ لاتعلق رہا تھا۔ کسی کے دکھ پر رونا۔ قربت میں خواہ کچھ ہو دوری میں اس کی کمی محسوس کرنا اور محبت سے بے خبر رہی۔ صرف اس لیے کہ کبھی پریشانی اور دکھ سے واسطہ نہیں ہوا تھا۔

اپنی وہ کیفیت اسے خود بھی ادراک نہیں تھی۔ وہ اس ڈاکوؤں والی اطلاع پر خوش تھی۔ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ اس کی وجہ وہ محبت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ وہ جھجکی۔ بہت دیر تک وہ سو نہیں سکی۔ وہ مسعود کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ اور دیکھتے دیکھتے جانے کب سو گئی۔

○☆○

پہلو میں ٹھوکا لگنے کی وجہ سے مسعود کی آنکھ کھلی۔ جسم میں درد کی لہریں دوڑ گئی تھیں "اٹھو۔ کب تک پڑے سوتے رہو گے۔ ایک تو تم شہری لوگوں میں یہ سب سے بڑی برائی ہے۔ صبح سویرے نہیں اٹھو گے تو دن تو خراب ہی گزرے گا۔"

مسعود کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا "کیا بات ہے بھائی؟"

"یہ تمہارے باپ کا محل نہیں ہے۔ اٹھو۔ کام کرو۔ کیا مفت کی روٹیاں توڑتے رہو گے۔ اپنی بیوی کو بھی اٹھاؤ۔"

لیکن لتی خود ہی اٹھ بیٹھی تھی "مجھے کیا کرنا ہے؟" مسعود نے جیلے سے پوچھا۔

"بیلچہ اٹھاؤ اور برف صاف کرو۔ رات بھر برف پڑی ہے۔"

یہ سنتے ہی مسعود کے ہوش اڑ گئے "ہاتھوں کا کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ چھالے پڑے ہوئے ہیں میرے ہاتھوں میں۔"

جیلا بڑی بے رحمی سے ہنسا "آج چھالے پھوٹ جائیں گے اور تکلیف بڑھ جائے گی۔ مگر کل سے ہاتھ پکے ہونے لگیں گے۔ مردوں والے سخت ہاتھ۔ پھر تمہیں کام کرنے میں مزہ بھی آنے لگے گا۔"

مسعود میں ہمت تو نہیں تھی لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے لتی اٹھی اور اس کے اور جیلے کے درمیان آ گئی۔ "تم کیسے بے رحم انسان ہو" اس نے جیلے سے ملامتی لہجے میں کہا "تمہیں ہاتھوں کے چھالے بھی نہیں متاثر کرتے۔ میرے شوہر اب کام نہیں کریں گے۔"

"تو پھر تم سنبھالو بیلچہ" جیلے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کروں گی یہ کام۔"

"اور تمہارا مرد تماشا دیکھے گا" جیلے نے حقارت سے کہا۔

اس پر مسعود کو طراوہ آ گیا۔ اس نے لتی کو سختی سے ایک طرف ہٹایا "لتی... تمہیں میرے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

غار کے دہانے سے آگے چٹانی چھجے کے نیچے برف کی دیوار سی بن گئی تھی۔ مسعود کو وہ کام بہت آسان لگا لیکن ایک منٹ بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ اس کا اب تک کا سب سے سخت کام ہے۔

چھالے تو پہلے ہی پھوٹ گئے تھے۔ وہ تو سردی بھی اس وقت تیز بن گئی تھی جس کی وجہ سے ہاتھ سن ہو گئے تھے اور تکلیف کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لتی نے ناشتا تیار کر لیا تھا۔ پہلے ڈاکوؤں نے ناشتا کیا۔ پھر ان دونوں کی باری آئی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ انہیں بھوک لگی تھی۔ دونوں نے بڑی رغبت سے ناشتا کیا اور وہ ناشتا انہیں اچھا بھی لگا۔

ناشتے کے دوران مسعود کو احساس ہوا کہ سردار اسے گھور رہا ہے لیکن اس نے سردار کی طرف نہیں دیکھا۔ ناشتے کے بعد سردار نے براہ راست اسے مخاطب کیا "او بابو! اب زبردستی کی مہمانی ختم کرو اور واپس جاؤ۔ تم یہاں پڑے رہو گے تو ہمیں رقم کیسے ملے گی۔"

"رقم تو تمہیں کسی بھی طرح نہیں ملے گی" مسعود نے کہا "تم نے غلط لوگوں کو پکڑ لیا ہے۔ ہم لوگوں نے تو دس لاکھ خواب میں بھی نہیں دیکھے۔"

"تمہارے سامنے تین ہی راستے ہیں" سردار نے کہا "ایک یہ کہ جا کر دس لاکھ کا بندوبست کرو۔ ہمیں لا کر دو اور اپنی بیوی کو لے جاؤ۔"

"میں دس لاکھ تو نہیں لا سکتا۔ ہاں پولیس ضرور لا سکتا ہوں۔"

"لے آنا" سردار نے بے پروائی سے کہا "تمہارے جاتے ہی ہم ٹھکانا بدل لیں گے۔"

"میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر جاؤں گا ہی نہیں" مسعود نے محکم لہجے میں کہا۔

"تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اسے طلاق دے دو اور اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

"کس خوشی میں؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً اسے قبول کر لوں گا" سردار نے سنجیدگی سے کہا "اور میں ڈاکو سہی' خلاف شرع کام کبھی نہیں کروں گا۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"طلاق کے بغیر میں تمہاری بیوی سے شادی کیسے کر سکتا ہوں" سردار نے معصومیت سے کہا۔

"مگر میں تو طلاق نہیں دوں گا۔"

"کیوں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کو ایک دوسرے سے دلچسپی بھی نہیں ہے۔"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے" مسعود نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو پھر تیسری صورت میرے اختیار میں ہے" سردار کا لہجہ اور سرد ہو گیا "میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

"کسی کو قتل کرنا تمہارے خیال میں خلاف شرع نہیں ہے؟"

"مجبوری ہے" سردار نے کندھے جھٹک دیے "تم طلاق نہیں دو گے تو میں صرف بیوگی کی صورت میں اس سے شادی کر سکتا ہوں" سردار نے لتی کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری مرضی" مسعود نے بھی کندھے جھٹک دیے۔ عجیب بات تھی۔ وہ اس صورت حال سے خوف زدہ تھا۔ بہت زیادہ خوف زدہ لیکن خوف شاید اتنا بڑھ گیا تھا کہ اسے انجام کی پروا نہیں رہی تھی۔

لتی بھی سہمی ہوئی تھی۔ لیکن سردار کے تیور دیکھ کر وہ لپک کر درمیان میں آ گئی "تمہیں مجھ کو طلاق دینا ہو گی" اس نے سخت لہجے میں مسعود سے کہا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں سردار سے شادی کروں گی۔"

"میں تمہیں صرف تین دن کی مہلت دے رہا ہوں" سردار نے کہا "دس لاکھ روپے کا بندوبست کرو یا بیوی کو طلاق دے دو" سردار نے کہا پھر وہ غار کے ایک کونے میں رکھے ٹرنک کی طرف گیا اور اس میں سے کچھ نکال کر لایا۔ وہ مقامی نسوانی لباس تھا۔ اس میں رنگین چھلے بھی تھے۔ اس نے وہ لباس لتی کے سامنے ڈال دیا۔ "اپنے مرد کو سمجھا۔ تین دن بعد میں کچھ نہیں سنوں گا اور ہاں' یہ لباس تیرے لئے ہے بی بی" یہ کہہ کر وہ غار سے چلا گیا۔

○☆○

اس رات مسعود بہت خفا تھا۔ لتی نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بری طرح جھٹک دیا "بہت خفا ہو مجھو؟"

"نہیں تو۔ بہت خوش ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"خوشی کی تو بات ہے۔ تم مجھ سے طلاق لے رہی ہو۔ سردار سے شادی کر رہی ہو۔"

"ہش... فضول باتیں مت کرو" لتی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "جلنے کڑھنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نکالو۔"

"کیا مطلب؟"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر لتی نے جھجکتے ہوئے کہا "مجھے پتا چل گیا ہے مجھو۔ میں تم سے... محبت کرتی ہوں... اور بہت کرتی ہوں"

مسعود ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے لتی کو بہت غور سے دیکھا "کسی بڑے مذاق کے چکر میں ہو؟"

"نہیں مجھو' سچ اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی..."

"میں تو کل سے یہی سوچ رہا ہوں مگر آج تم نے میرا دل برا کر دیا۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔"

"اب تم فکر نہ کرو" مسعود کے لہجے میں خوشی تھی۔ "اب تو

میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔"

لتی اٹھ بیٹھی "تم لیٹ جاؤ۔ تھک گئے ہو گے" مسعود لیٹا تو اس کا جسم دبانے لگی۔

"ارے ارے... تم خود بھی تو تھک گئی ہو گی" مسعود نے کہا۔

"نہیں مجھو' آج تھکن نہیں ہوئی بلکہ لطف آیا۔ میری تو سمجھ میں اپنی شرارتوں کی وجہ بھی آ گئی۔ وہاں گھر میں کوئی مصروفیت ہی نہیں تھی۔ کوئی کام ہی نہیں تھا۔ تو پھر شرارتیں ہی سوجھتی تھیں۔ اب سوچتی ہوں گھر کے کام کس قدر اچھے لگتے ہوں گے۔"

مسعود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ تھک کر چور ہو جانے کے بعد تو اچھی ہی نیند آتی ہے۔

اگلا دن بے حد مختلف تھا۔ مسعود کو پھر لکڑیاں کاٹ کر لانے پر مامور کیا گیا۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ کلہاڑی لے کر ہنسی خوشی چلا گیا۔ لتی بھی معمول کے مطابق کاموں میں لگ گئی۔ ناشتے کے بعد سردار نے شیدے اور جیلے کو کہیں بھیج دیا تھا۔ وہ چاروں الگ کھڑے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مسعود کو لتی سے بات کرنے کا موقع ملا "شیدا اور جیلا نظر نہیں آ رہے ہیں؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"انہیں سردار نے کہیں بھیج دیا ہے" لتی نے بتایا۔

"شکر... آج ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے" مسعود

تو وہ دونوں آج نہ کہا "ایک ادھ دن اور لگ ہی جائیں گے۔"

"ابھی تو جانا ہے۔"

"یہیں لوگ اسی راستے سے آتے ہیں۔"

"میں شاید رات دیکھ لوں" مسعود نے فکر بھرے لہجے میں کہا۔ "یہاں والے بھی کہتے ہیں کہ یہاں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان کہیں ایک پگڈنڈی بھی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا کچھ ضرور ہوگا۔ ڈاکو ایک ہی راستے والی جگہ کو پسند نہیں کر سکتے۔ ہم بھی اسی راستے سے فرار ہوں گے۔"

"کل صبح؟"

"ہاں کل ہی۔ ہم صبح چار بجے نکلیں گے۔ امید تو یہی ہے کہ اس وقت ڈاکو گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ تم وہ سردار کے لائے ہوئے کپڑے پہن لینا۔"

"میں تو نہیں پہنوں گی وہ کپڑے۔"

"میری بات غور سے سنو اور بحث مت کرو" مسعود نے سخت لہجے میں کہا "جانے کیسا راستہ ہو۔ تمہارا یہ لباس نہیں چلے گا۔ یہ نہ بھولو کہ تم اپنے قدموں پر چل کر یہاں نہیں آئی ہو۔ تمہیں اٹھا کر لایا گیا تھا۔"

لبنیٰ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مسعود کا یہ اعتماد اور یہ تبدیلی اسے اچھی لگی تھی۔

"میں بھی ان میں سے کسی کے کپڑے پہن لوں گا" مسعود نے مزید کہا "تم احتیاطاً کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھ لینا۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"لیکن اندھیرا ہوگا اور انجانا پہاڑی راستہ۔"

"میں نے کہا نا کہ باقی میں دیکھ لوں گا۔ تم فکر نہ کرو" مسعود نے چڑ کر کہا۔

اسی وقت سردار ان کی طرف چلا آیا "ہاں بی بی! کچھ سمجھایا اپنے مرد کو؟" اس نے لبنیٰ سے پوچھا۔

"سمجھا رہی ہوں۔"

سردار مسعود کی طرف مڑا "تیرا کیا خیال ہے بابو؟"

"تم نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے۔ تین دن بعد بات کرنا" مسعود نے بے پروائی سے کہا "ویسے یہ ضرور ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"عقل مند آدمی ہو" سردار مسکرایا "امید ہے کہ بے وقوفی نہیں کرو گے۔"

○☆○

ٹھیک اسی وقت مقصود الزماں اور شاکر راولپنڈی جانے والی فلائٹ پر سوار ہو رہے تھے۔ پچھلا دن تو ضائع ہو گیا تھا۔ مقصود صاحب کبھی مری کا نمبر ملاتے اور کبھی شاکر کا۔ ایک طرف سے انگیج ٹون سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف سے ہر بار یہ پتا چلا کہ شاکر ابھی آیا نہیں ہے۔ اس دوران مقصود صاحب نے ایک اہم کام بہرحال کرلیا۔ بینک سے رابطہ کر کے انہوں نے ایسا بندوبست کرلیا کہ مری میں انہیں طلب کرتے ہی دس لاکھ روپے مل سکتے تھے۔

شام کے وقت شاکر سے رابطہ ہو ہی گیا "سوری انکل! مجھے اپنا کام نمٹانے میں دیر ہو گئی۔ میں کل مری جا رہا ہوں۔"

"کل کیوں؟ آج نہیں؟"

"آج جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ رات میں مری کا سفر اس موسم میں ممکن نہیں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔"

شاکر سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا "ٹھیک ہے انکل۔ میں سیٹ ریزرو کرالوں پھر تمہیں مطلع کردوں گا۔"

رابطہ منقطع ہوتے ہی شاکر نے ایک نمبر ملایا۔ رابطہ ملنے پر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شاہد! الرٹ ہو جاؤ۔ پروگرام خطرناک حدود میں داخل ہو گیا ہے۔"

"کیوں صاحب؟ آپ کو تو آنا ہی تھا" دوسری طرف سے شاہد نے کہا۔

"میرے ساتھ میرے دوست کے والد بھی آرہے ہیں۔"

"اوہ... تو پھر؟"

"سب کچھ ہٹالو... بہت تیزی سے۔ ہم کل شام تک پہنچیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔ آپ فکر نہ کریں۔"

شاکر نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

وہ سہ پہر کے وقت راولپنڈی پہنچے اور بغیر رکے مری کے لئے روانہ ہو گئے۔ شام ہوتے ہوتے وہ مری پہنچ گئے۔ شاکر مقصود صاحب کو سیدھا فلک سیر لے گیا۔ وہاں بنگلے کا منتظم شاہد موجود تھا۔ شاکر نے اس سے مہمانوں کے متعلق پوچھا "وہ تو صاحب میرا خیال ہے، کہیں گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں" شاہد نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟" شاکر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جس روز آپ کا تار آیا تھا صاحب جی، اسی روز گھر میں طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ میں نصیب خان کو سمجھا کر گھر چلا گیا تھا۔ جس دن میں گھر سے واپس آیا، وہ لوگ جا چکے تھے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ گھومنے پھرنے گئے ہیں؟"

"ان کا سوٹ کیس کمرے میں موجود ہے۔"

"تو وہ خالی ہاتھ گھومنے پھرنے تو نہیں جاسکتے" شاکر نے اعتراض کیا۔

شاکر نے مقصود صاحب کی طرف دیکھا، جو پریشان نظر آرہے تھے "یہ مسعود صاحب کے ابو ہیں شاہد" اس نے شاہد کو بتایا "جس صبح وہ یہاں سے گئے ہیں، مسعود نے انہیں فون کر کے بتایا تھا کہ اس کی بیوی کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں اور اسے چھوڑنے کے بدلے دس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔"

شاہد ہنسنے لگا "آپ جانتے ہو صاحب جی کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔ مسعود صاحب نے مذاق کیا ہوگا۔"

"اچھا تم جاؤ اور اچھی سی کافی بنا کر لاؤ" شاکر نے کہا اور اس کے جاتے ہی مقصود صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا "میں بھی آپ سے یہی کہہ رہا تھا کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔"

"مگر میاں، مجھے اطمینان نہیں ہوا" مقصود صاحب بولے۔ "نہ جانے کیوں، مجھے اس معاملے میں گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"ہم پولیس اسٹیشن چلیں گے۔"

کافی پیتے ہی وہ دونوں پولیس اسٹیشن چلے گئے۔ ایس ایچ او بے حد خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے بڑی توجہ سے مقصود صاحب کی بات سنی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اس علاقے میں ڈاکو ہوتے تو لوگ تفریح کے لئے یہاں کا رخ کرنا چھوڑ دیتے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ لوگ ایک بیگ لے کر گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں اور انہوں نے آپ سے شرارت کی ہوگی۔"

"گھومنے پھرنے وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ مری اتنا سا تو ہے۔"

"ہو سکتا ہے، وہ نتھیا گلی چلے گئے ہوں۔ دیکھئے، میں ابھی پرچہ نہیں کاٹوں گا۔ پہلے کل انہیں ادھر ادھر تلاش کر لیں۔ میرے خیال میں یہ سنگین معاملہ نہیں۔"

مقصود صاحب نے اصرار نہیں کیا لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔ شاکر نے انہیں تسلی دی کہ اگلے روز وہ نتھیا گلی چلے چلیں گے۔ زیادہ فکر کی ضرورت نہیں۔

○☆○

مسعود اور لبنیٰ نے سوچا تھا کہ وہ اس رات سوئیں گے ہی نہیں لیکن ثابت یہ ہوا کہ دن بھر کی مشقت اور تھکن کے بعد نیند کانٹوں پر بھی آجاتی ہے۔ پھر بھی اس کی آنکھ وقت پر کھل گئی۔ اس نے لبنیٰ کو جگا دیا۔ غار میں اس وقت سردار اور اس کے دو ساتھی موجود تھے۔ بیلا شام کو واپس آیا تھا اور سرگوشیوں میں سردار سے باتیں کرتا رہا تھا۔ شیدا البتہ واپس ہی نہیں آیا تھا۔

اس وقت غار میں ان تینوں کے خراٹے گونج رہے تھے۔ مشعل کی روشنی میں مسعود نے ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ بظاہر وہ بے خبر سو رہے تھے۔ مسعود اٹھا اور دبے قدموں دیوار پر لگی اس مشعل کی طرف بڑھا، جسے ڈاکوؤں نے سونے سے پہلے بجھا دیا تھا۔ اسی وقت اس کی نظر ایک کونے میں رکھے اپنے بیگ پر پڑی۔ وہ حیران رہ گیا مگر پھر اس نے بڑھ کر وہ بیگ اٹھا لیا۔ پھر اس نے دیوار سے مشعل اتاری اور دبے قدموں غار کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے لبنیٰ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لبنیٰ ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی لئے اس کے پیچھے چل دی۔

غار کے دہانے پر پہنچ کر مسعود رکا اور اس نے پلٹ کر ڈاکوؤں

کی طرف دیکھا۔ ان کے خراٹوں میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور وہ بدستور اسی پوزیشن میں لیٹے تھے۔ مسعود نے ایک گہری سانس لی اور باہر کا جائزہ لیا لیکن باہر گہرا اندھیرا تھا۔ کچھ دیکھنا ناممکن ہی تھا۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ باہر جسم کاٹ دینے والی سرد ہوا چل رہی تھی۔ وہ دونوں رات ہی میں لباس تبدیل کر چکے تھے۔ مقامی لباس ان کے لباس کے مقابلے میں یقیناً بہت گرم تھا۔ اس کے باوجود سردی ان کا [illegible] رہی تھی۔ غار کے دہانے سے نکل کر بائیں جانب مڑتے ہی سرد ہوا پوری رفتار سے ان کے جسموں سے ٹکرانے لگی۔

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اندھیرے میں ہر قدم پر کسی کھائی میں لڑھکنے کا ڈر تھا۔ مسعود ابھی احتیاطاً مشعل نہیں جلانا چاہتا تھا لیکن پہلے تو سردی نے ان کے [illegible] پھر مسعود کو یہ شبہ ہونے لگا کہ وہ درست راستے پر نہیں جا رہے ہیں۔

وہ رکا۔ لبنیٰ بھی رک گئی۔ اس کے دانت بج رہے تھے۔ مسعود نے جیب سے ماچس نکالی اور مشعل جلائی۔ مشعل روشن ہوئی تو پہلے تو وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہے پھر مسعود نے سکون کی سانس لی۔ اس نے بروقت مشعل روشن کی تھی۔ اندھیرے میں سمتوں کا احساس نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں بائیں جانب چلے تھے لیکن درحقیقت وہ سامنے پگڈنڈی کی طرف چلے تھے اور اگر چند قدم آگے بڑھ گئے ہوتے تو ان کے قدموں کے نیچے پگڈنڈی نہیں، اللہ حافظ ہوتا۔

وہ لبنیٰ کو لے کر بائیں جانب چلا۔ اسے [illegible] تلاش کرنے میں کچھ دیر لگی جس کے درمیان وہ دوسری پگڈنڈی تھی۔

لیکن مشعل پاس ہونے کے باوجود وہ وقت اس پگڈنڈی پر سفر کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ پگڈنڈی پر پیچ تھی اور کہیں کہیں جھاڑیوں کے درمیان اتنی تنگ تھی کہ ایک آدمی کا گزرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کانٹوں سے ان کے کپڑوں پر بھی خراشیں پڑ گئی

[illegible] جھاڑیوں کے اسی طرف کہاں نکلا اور [illegible] نہیں مسلسل اوپر [illegible] کسی جنگلی جانور سے واسطہ [illegible] واپس چلے جائیں لیکن اس [illegible] ہموار زمین تھی۔ [illegible] کوئی دشواری [illegible] لیکن اس پگڈنڈی نے انہیں ایک گھنے جنگل میں پہنچا دیا۔

درختوں پر سے آنے والی خیالی خیالوں کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ڈرے مگر پھر انہیں پتا چلا کہ جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے۔ انہیں دیکھتے ہی بے شمار بندر درختوں سے اتر آئے اور اچھلتے کودتے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو لتی ان سے محظوظ ہوتی لیکن اس وقت تو جان کے لالے پڑے تھے۔

در حقیقت وہ دونوں ہی خوف زدہ تھے۔ انہیں غار سے نکلے ہوئے چار گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی تک وہ جنگل ہی رہے تھے۔ سیدھے راستے سے نکلے ہوتے تو اب سے خاصا پہلے وہ بنگلے پر پہنچ گئے ہوتے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اب وہ نکلیں گے کہاں۔

اب اطرائی سفر شروع ہو چکا تھا۔ جنگل کے چوڑے راستے کی جگہ پتلی پہاڑی پگڈنڈی نے لے لی تھی۔ اترنا زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ لتی کئی بار لڑکھڑائی۔ مسعود نے اسے سہارا دیا۔

پھر سڑک نظر آئی تو پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا پھر ان کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ ان کے قدم تیز ہو گئے۔ اب انہیں اس کی بھی پروا نہیں تھی کہ وہ کہاں نکلیں گے۔ اتنا کافی تھا کہ وہ عام انسانوں کے درمیان پہنچ رہے تھے۔

○☆○

کانسٹیبل اللہ داد چھڑی سڑک پر بجاتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ اس وقت بڑی موج میں تھا۔ وہ ملوکا گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔ وہاں اسے تفتیش کے سلسلے میں بھیجا گیا تھا۔ مائی نانان نے پرچہ کٹایا تھا کہ نذیرے کا بیٹا بشیر اس کی بیٹی جیناں کو بھگا کر لے گیا ہے۔ اللہ داد کو دونوں کی طرف سے تگڑے ناشتے ملے تھے۔ اس کے علاوہ فریقین نے ایک دوسرے پر بھرپور الزام لگائے تھے اور بے شمار راز اگلے تھے جس سے اللہ داد کی علاقائی معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ داد مگن تھا۔ دن کا آغاز بہت اچھا ہوا تھا۔

اللہ داد چلتے چلتے چونکا۔ اس کے سامنے پہاڑی پگڈنڈی سے ایک مرد اور عورت اتر کر سڑک پر آ گئے۔ عورت بھڑکیلے دلہنوں جیسے لباس میں تھی۔ دونوں مقامی ہی تھے لیکن تباہ حالی ان کے چہروں اور لباس پر صاف لکھی تھی۔ دونوں کے لباس کئی جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ اللہ داد سمجھ سکتا تھا کہ یہ کانٹوں کی وجہ سے ہے۔ دونوں لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

اللہ داد کی دھڑکن اور قدم بیک وقت تیز ہو گئے۔ وہ اسے بہت مہربان دن لگا۔ ایک کیس خود ہی حل ہونے کے لئے آ گیا تھا اور مفرورین کو پکڑنے کا سہرا اس کے سر پر بندھنے والا تھا۔

اس کے قدموں کی چاپ سن کر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔

مرد نے فوراً ہی پوچھا "یہ کون سا علاقہ ہے سنتری جی؟"

"یہ کاغان کا علاقہ ہے جاتک" اللہ داد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کاغان؟" مرد نے حیرت سے دہرایا "لیکن ہم تو مری میں تھے۔"

اتنی دیر میں اللہ داد ان کے پاس پہنچ چکا تھا "مجھے بے وقوف بناتا ہے.... اللہ داد کو" اللہ داد نے سینہ پھیلاتے ہوئے کہا "تجھے نہیں معلوم کہ یہ نتھیا گلی کا علاقہ ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ شہر سے آیا ہے جب کہ میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیسے؟" مرد نے حیرت سے کہا "تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں اس علاقے میں کس کو نہیں جانتا" اللہ داد نے فخریہ لہجے میں کہا "تو ملوکا گاؤں کا بشیر ہے نا اور یہ ہے جیناں" اللہ داد نے عورت کی طرف اشارہ کیا "اور تو اسے بھگا کر لایا ہے" اللہ داد نے دھماکا کیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے سنتری صاحب۔"

"اوئے تو آپ جناب کر کے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں جناب" مرد نے عاجزی سے کہا "ہم نے ملوکا گاؤں کا نام بھی نہیں سنا اور نہ میرا نام بشیر ہے نہ اس کا جیناں، اور یقین کریں، بھگانا تو بہت دور کی بات ہے۔ میں تو اسے چلا کر بھی نہیں لا سکتا۔ یہ خود ہی چل کر آئی ہے۔"

"بات ایک ہی ہے۔ بھگانے کا مطلب سچ مچ دوڑانا تو نہیں ہوتا" اللہ داد نے عالمانہ انداز میں کہا "اور تو شہر والوں کی طرح بول کر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو شہر میں رہ کر آیا ہے۔"

"میں تو پیدا ہی شہر میں ہوا ہوں" مرد نے کہا "آپ سنتری صاحب مہربانی کر کے ہمیں تھانے کا راستہ بتا دیں۔"

اللہ داد کے دانت نکل پڑے "اس کی فکر نہ کرو۔ میں خود تمہیں تھانے لے کر چلوں گا۔ میں نکلا ہی تمہارے لئے ہوں اتنا سویرے" پھر اس نے بیگ کو دیکھا "اس میں زیور ہے نا؟"

"نہیں۔ اس میں ہمارے کپڑے ہیں اور آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں مسعود ہوں اور یہ میری بیوی لتی ہے۔"

اللہ داد ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا "نام بھی بدل لئے" بالآخر اس نے کہا۔

"میں آپ کو نکاح نامہ دکھا سکتا ہوں۔"

"جعلی ناموں سے نکاح نہیں ہوتا" اللہ داد نے فتویٰ لگایا۔

"یہ میرے شوہر ٹھیک کہہ رہے ہیں" لتی نے پہلی بار زبان کھولی "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اچھا.... شہر میں ایسے کپڑے پہنتے ہیں" اللہ داد نے گرفت کی۔

"یہ.... یہ تو ڈاکوؤں کے کپڑے ہیں" مسعود نے وضاحت کی۔ "ہمارے کپڑے تو بیگ میں ہیں۔"

"ڈاکو یہاں کہاں" اللہ داد پھر ہنسنے لگا۔ اس نے بیگ کھول کر دیکھا تو اس کے تیور بدل گئے "تم پر تو ایک کیس اور لگ گیا۔ یہ بیگ بھی چوری کا ہے۔"

"اب آپ کہیں گے کہ ہم بھی چوری کے ہیں" مسعود کی برداشت جواب دینے لگی۔

"اوئے زبان لڑاتے ہو۔"

"بس بہت ہو گئی" لتی نے غصے سے کہا "تم بس ہمیں پولیس اسٹیشن لے چلو۔"

"ضرور لے چلوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

○☆○

تھانے پہنچتے ہی اللہ داد کا دن خراب ہو گیا۔ انچارج نے دونوں کو دیکھتے ہی اسے خوب پھٹکارا "اوئے عقل کے دشمن، یہ تجھے جیناں اور بشیر لگتے ہیں۔"

اللہ داد کھسیا کر وہاں سے ہٹ آیا۔

انچارج نے بڑے تحمل سے مسعود کی گفتگو سنی پھر بولا "ڈاکو تو یہاں کہانیوں میں بھی نہیں ہوتے۔ تم سچ مچ کے ڈاکوؤں کی کہانی سنا رہے ہو۔"

"لیکن ان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ درست ہے" لتی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہ کیس ہمارے ہاں کا نہیں۔ مری تھانے کا ہے" انچارج نے کہا "لیکن آپ لوگوں کو مشکوک حالت میں پکڑا گیا ہے اور آپ کے پاس شناختی کاغذات بھی نہیں۔ ہمیں آپ کی شناخت اور بیان کی تصدیق کے لئے مری جانا ہو گا۔ ٹھیک سے چیک کرنا ہو گا...."

لیکن یہ بات وہیں رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے انچارج کے کمرے میں جو دو افراد داخل ہوئے، انہیں دیکھتے ہی لتی اور مسعود اچھل کر کھڑے ہو گئے.... وہ شاکر اور مقصود الزماں تھے۔

"پاپا.... آپ؟" مسعود نے کہا۔

انچارج حیرت سے کبھی مسعود کو اور کبھی مقصود صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

مقصود صاحب نے انچارج کو بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اور بہو کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے آئے تھے۔ تمام لوگوں کے درمیان معلومات کا تبادلہ ہوا پھر انچارج نے کہا "یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس علاقے میں کبھی ڈاکوؤں کا وجود نہیں رہا۔"

"لیکن ہم درحقیقت ڈاکوؤں کی قید میں تھے۔ ان کے سردار کا نام مجھے معلوم نہیں لیکن دوسرے تین شیر، رشید اور [illegible] تھے۔"

"حیرت ہے۔ آپ مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہیں؟"

"یہاں سے تو ممکن نہیں، البتہ فلک سیر سے دکھا سکتا ہوں" مسعود نے کہا "اور یہ دیکھیں میں ایک ڈاکو کا لباس پہنے ہوئے ہوں۔" "اور مجھے یہ کپڑے ڈاکوؤں نے لا کر دیے تھے" لتی بولی۔

انچارج الجھا ہوا نظر آنے لگا [illegible] چھالے دیکھئے۔ انہوں نے مجھ سے مشقت کرائی [illegible] دونوں ہاتھ پھیلائے لیکن خود ہی حیران رہ گیا۔ چھالوں کا تو نشان بھی نہیں تھا۔ البتہ گٹے پڑے ہوئے تھے۔ [illegible] سخت ہاتھ خود اس سے بھی نہیں پہچانے گئے۔

انچارج اٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے۔ میں خود چل کر دیکھتا ہوں۔ یہ معاملہ تو خاصا سنگین معلوم ہو رہا ہے۔"

مسعود انہیں درست طور پر اس غار تک لے گیا مگر وہاں کوئی ایسی نشانی تک نہیں تھی جس سے پتا چلتا کہ وہاں کبھی کوئی رہا ہے۔ اس جگہ کو دیکھ کر لگتا تھا کہ برسوں سے وہاں سے کوئی گزرا بھی نہیں ہے۔ مسعود کو ایسا لگا کہ اس کی یادداشت چلی گئی ہے۔

○☆○

اس سے اگلے روز شام کے وقت لُبنیٰ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ مقصود صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ مسعود نے شاکر سے کہا "آؤ باہر چلتے ہیں۔ کسی ہوٹل میں کافی بھی پئیں گے۔"

وہ باہر آ گئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ مسعود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا "تم بہت بدل گئے ہو" شاکر نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ یہ بتاؤ کہ یہ تبدیلی مثبت ہے یا منفی ہے؟"

"سو فی صد مثبت ہے۔"

"ہونی بھی چاہئے۔ میں نے زندگی گزارنی شروع کر دی ہے۔" وہ ایک ہوٹل میں جا بیٹھے اور کافی کا آرڈر دیا۔ اچانک مسعود نے شاکر سے پوچھا "ڈاکوؤں کو ان کی خدمات کے عوض کیا دیا ہے تم نے؟"

شاکر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"بیگ نثار میں نظر نہ آتا تو شاید میں سمجھ نہ پاتا" مسعود نے وضاحت کی "لیکن میں نے پہلے ہی دن نثار کا تفصیلی جائزہ لیا تھا اور بیگ موجود نہیں تھا۔ وہ بیگ اسی دن لایا گیا تھا۔ ڈاکوؤں کا شاہد سے رابطہ تھا اور شاہد کو تم نے خبردار کر دیا تھا۔"

"ٹھیک سمجھے ہو تم" شاکر نے گہری سانس لے کر کہا "لیکن پیسوں کا لین دین نہیں ہوا۔ یاری دوستی کا معاملہ تھا۔ وہ چاروں شاہد کے دوست ہیں۔"

"یار۔۔۔ میرا شکریہ ادا کر دینا۔"

شاکر نے بہت غور سے مسعود کو دیکھا "تم ناراض تو نہیں ہو؟" مسعود کھلکھلا کر ہنس دیا "پہلی بار ہمارے ساتھ کسی نے پریکٹیکل جوک کیا ہے اور اس میں زندگی سنور گئی ہماری۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو بہت سارے فائدے ہوئے ہیں۔ لُبنیٰ کو اور مجھے پتا چل گیا کہ ہم ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زندگی کی خوب صورتی اس کی مصروفیات میں ہے۔ اب دیکھو لُبنیٰ کیسے گھر چلاتی ہے اور میں ہر طرح کی محنت کر سکتا ہوں۔ اب کراچی جا کر میں صحیح معنوں میں زندگی کا آغاز کروں گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ پاپا کتنے خوش ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے" شاکر نے بے حد خلوص سے کہا۔

اسی وقت بیرا کافی لے آیا۔

○☆○

مقصود صاحب نے چائے کی پیالی خالی کر کے رکھی اور کرسی میں نیم دراز ہو گئے "دفتر نہیں جائیں گے؟" بیگم نے ان سے پوچھا۔

"چلے جائیں گے۔ ایسی کوئی جلدی بھی نہیں۔"

"مسعود دفتر میں کیسا کام کر رہا ہے؟"

"اس نے سب کچھ سنبھال لیا ہے۔ اسی لئے تو اب فکر ہو گئی ہے" مقصود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"کیا بات ہے۔ آپ خوش نہیں ہیں۔"

"خوش تو ہوں کہ بچے ذمے دار ہو گئے ہیں لیکن کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ شرارتیں ختم ہو گئیں ان لوگوں کی۔ ایک مہینہ ہو گیا انہیں واپس آئے۔ کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

بیگم مسکرائیں "فکر نہ کریں۔ کچھ دن صبر کر لیں پھر بچوں کی شرارتوں سے گھر بھرنا شروع ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"خیر سے لُبنیٰ ماں بننے والی ہے۔"

مقصود صاحب خوش ہو گئے "واقعی!" مگر پھر وہ بجھ گئے "یہ تو بہت لمبا انتظار ہے۔"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ پہلے وہ شرارتیں کرتے تھے تو جھنجلاتے تھے" بیگم نے کہا "اب نہیں کرتے تو پریشان ہیں۔ کسی حال میں بھی خوش نہیں ہیں آپ۔"

"مجھے ان کی شرارتیں تھوڑا ہی بری لگتی ہیں" مقصود صاحب بولے "ان سے تو گھر میں زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے تو صرف غیر ذمے داری اور لاابالی پن کی شکایت تھی ان سے۔۔۔ وہ دور ہو گئی مگر مجھے شرارتوں کی تو کمی محسوس ہوتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ سات آٹھ ماہ کی تو بات ہے۔ یوں ہی پلک جھپکتے گزر جائیں گے" بیگم نے انہیں تسلی دی۔

بیگم صاحبہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف چلی گئیں۔ وہاں سے انہوں نے لان کو دیکھا۔ وہ پلٹیں تو مسکرا رہی تھیں "ذرا یہاں تو آیئے۔"

"کیا ہے؟"

"آیئے تو سہی۔"

مقصود صاحب بادلِ ناخواستہ اٹھے اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانکا۔ اگلے ہی لمحے وہ اور بیگم قہقہے لگا رہے تھے۔

لان پاگل ہو گیا تھا لیکن لان سے زیادہ برا حال مالی کا تھا۔ وہ وحشت زدہ سا کبھی ایک پودے کے پاس جاتا اور کبھی دوسرے کے پاس۔ گلاب کے پودے میں سورج مکھی کے پھول تھے۔ چنبیلی پر چمپا تھا۔ سورج مکھی پر گیندا اور موتیے پر چنبیلی۔

مالی امرود کے درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا، جس پر کیلے جھول رہے تھے۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں آسمان کی طرف دیکھا۔

مقصود صاحب کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی ہنسے جا رہی تھیں۔ مقصود صاحب نے بڑی مشکل سے ہنسی پر قابو پایا "ہاں۔۔۔ یہ ہے زندگی۔۔۔ زندگی، زندہ دلی" انہوں نے بڑی طمانیت سے کہا "اللہ۔۔۔ تیرا شکر ہے۔"

ختم شد ○○○